

# نماز اور خشوع

رؤفیسر محمد اسحاق ایم۔ اے

پنجاب کالج آف کامرس لاہور

297.53

م 29 ن

55317







# نماز اور خشوع



مرتبہ

پروفیسر محمد اسحاق ایم۔ اے

پنجاب کالج آف کامرس لاہور



جملہ حقوق بحق مولف محفوظ ہیں

نام کتاب : 297.53 نماز اور خشوع  
مؤلف : 55314 29 (0) پروفیسر محمد اسحاق ایم۔ اے  
کمپوزنگ : کمپوزنگ سہیل پورسل کمپوزنگ سینٹر

31-F شمع پلازہ لاہور

ظفر سنز پرنٹرز۔ بیسمنٹ

شمع پلازہ لاہور

1000 بار اول

طابع  
تعداد

ملنے کا پتہ

پنجاب کالج آف کامرس 314 ریواز گارڈن لاہور



# فہرست موضوعات

صفحہ	موضوع
7	حدیث احسان
8	تقریظ
9	پیش لفظ
15	پہلا باب — خشوع کی اہمیت
16	خشوع کا مفہوم
20	خشوع کی اہمیت
21	نماز کی حقیقت
22	ایک عجیب نکتہ
23	باخشوع اور بے خشوع نماز کا فرق
25	دوسرا باب — خشوع کی تدابیر
26	پہلی تدبیر — سنوار کر وضو کرنا
30	دوسری تدبیر — پر خلوص کوشش
33	تیسری تدبیر — عاجزی و انکساری کا اظہار
36	چوتھی تدبیر — تضرع پیدا کرنے کی کوشش
39	پانچویں تدبیر — یکسوئی و انہماک
42	چھٹی تدبیر — آخرت کی پیشی اور جزا و سزا کا احتضار
44	ساتویں تدبیر — قرآنی آیات میں تدبیر
49	آٹھویں تدبیر — تعدیل ارکان
53	نماز میں تیز رفتاری کی عادت سے چھٹکارا کیونکر؟



صفحہ	موضوع
55	نویں تدبیر۔۔۔ الوداعی نماز کا احساس
56	دسویں تدبیر۔۔۔ غیر ضروری حرکات سے اجتناب
58	گیارہویں تدبیر۔۔۔ ہنگامی ضروریات سے فراغت
59	تیسرا باب۔۔۔ حضوری دل
61	یکسوئی کی اہمیت
64	تکبیر تحریمہ کی معنویت
65	نماز خدا کے حضور پیشی ہے
68	نماز تہجد۔ حضوری دل کا بہترین موقع
70	حدیث احسان
73	نماز معراج المؤمنین کس طرح ہے؟
74	حدیث احسان کی تحقیق
77	چوتھا باب۔۔۔ خشوع کے موانع
78	وساوس کا مسئلہ
79	الف) وساوس سے بچنے کی تدابیر
79	پہلی تدبیر۔۔۔ عمدہ اور کامل وضو کرنا
80	دوسری تدبیر۔۔۔ ہنگامی ضروریات سے فراغت
81	تیسری تدبیر۔۔۔ آنکھوں اور کانوں کے حواس کو کنٹرول کرنا
85	چوتھی تدبیر۔۔۔ جن چیزوں سے دل اٹکا ہو ان سے دستبرداری



صفحہ	موضوع
93	(ب) وساوس کا دفعیہ
93	متبادل خیال سے وسوسے کو دور کیا جاسکتا ہے
95	شعوری طور پر نماز پڑھنے کی اہمیت
100	احضار اور حضور
103	پانچواں باب — اصل علاج۔ اللہ سے محبت
105	اہل محبت کی پہچان
106	رسمی نمازیں
107	یہ منافقت ہے
109	دعائے قنوت کی معنویت
112	پس چہ باید کرو؟
113	چھٹا باب — خشوع کے معاونات
114	اخلاص
120	رزق حلال
122	اپنے ماحول کا جائزہ
125	گناہوں سے اجتناب
129	نیک لوگوں کی رفاقت
132	انفاق فی سبیل اللہ
135	انفاق فی سبیل اللہ اور نماز
137	انفاق کے فضائل ایک نظر میں
139	حرف آخر
141	ماخذ



مقدمہ

پیشکش (ب)

پیشکش کی صورت میں

پیشکش کی صورت میں

پیشکش کی صورت میں

پیشکش کی صورت میں

پیشکش کی صورت میں

پیشکش کی صورت میں

پیشکش کی صورت میں

پیشکش کی صورت میں

پیشکش کی صورت میں

پیشکش کی صورت میں

پیشکش کی صورت میں

پیشکش کی صورت میں

پیشکش کی صورت میں

پیشکش کی صورت میں

پیشکش کی صورت میں

پیشکش کی صورت میں

پیشکش کی صورت میں

پیشکش کی صورت میں

پیشکش کی صورت میں

پیشکش کی صورت میں



## ”حدیث احسان“

الْإِحْسَانُ أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ

لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ

(بخاری)

احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے گویا تو اسے اپنے سامنے دیکھتا ہے۔ پس اگر تو اسے نہیں دیکھتا تو وہ تو تجھے دیکھتا ہے۔



## تقریظ

”جناب پروفیسر محمد اسحاق کی کتاب ”نماز اور خشوع“ کے چند اوراق نظر سے گزرے جن کو دیکھ کر یہ رائے قائم ہوئی کہ نماز کے متعلق عام مسائل کے بجائے نہایت ہی اہم موضوع پر پروفیسر صاحب نے قلم اٹھایا ہے اور بجا طور پر یہ لکھا ہے کہ خشوع نماز کی روح ہے۔ فی الواقع شریعت میں خشوع والی نماز ہی مطلوب ہے اور یہ بھی کہ پوری توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف اور نماز کے کلمات کے مفہوم کی طرف اور اپنی کیفیات عبودیت کی طرف رہنی چاہئے۔

علاوہ ازیں کتاب ادب اور بیان کے لحاظ سے نہایت اچھے اسلوب اور معیار کی ہے۔ مطالب نہایت اہم اور ضروری حوالوں کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اور عام فہم بھی ہیں۔

میری بد قسمتی ہے کہ کتاب کو دیکھنے کے دوران میری صحت پر کچھ ایسے اثرات تھے کہ پوری کتاب کے مندرجات تفصیل سے نہ دیکھ سکا مگر جتنا حصہ بھی دیکھا اس کا مجھ پر اچھا اثر پڑا۔

خدا کرے کہ پروفیسر صاحب کی محنت قبولیت عامہ حاصل کرے اور لوگ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ نیز مجھے اس بات کی بھی خوشی ہے کہ پروفیسر صاحب اس کتاب کو اپنے خرچ پر چھپوا کر تقسیم کرنا چاہتے ہیں اور ان کا مقصد کوئی کمائی کرنا نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی بہبود اور دین کی خدمت ہے۔“

نعیم صدیقی

وارث کالونی نزد ملتان چوکنگی لاہور

یکم ستمبر 99ء



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## پیش لفظ

آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔

الصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ

(نماز اہل ایمان کے لیے معراج ہے)

یہ ایک معنی خیز بات ہے۔ حضور ﷺ کو معراج کے موقع پر جو قرب خداوندی عطا ہوا اس کے حوالے سے آپ فرما رہے ہیں کہ یہ قرب اور حضوری تو میرے لیے مخصوص ہے اور کسی نبی یا فرشتے کو آج تک عطا نہیں ہوئی لیکن اس کی ایک جھلک سے ہر وہ مومن صادق متمتع اور فیضیاب ہو سکتا ہے جو ظاہری اور باطنی آداب کا اہتمام کر کے نماز ادا کرے۔

نماز سب سے بڑی عبادت، تزکیہ نفس اور تقرب الی اللہ کا بہترین ذریعہ اور دینی و دنیوی خیر و فلاح کے حصول کا عمدہ وسیلہ ہے۔ لیکن میری طرح بے شمار مسلمان محسوس کرتے ہیں کہ ہماری زندگی نماز کے فوائد و ثمرات سے خالی ہے۔ ہم نماز پڑھتے ہیں اس کے اندر اور باہر دعائیں بھی مانگتے ہیں لیکن صاف محسوس ہوتا ہے کہ ہماری نماز ذکر کی لذت و حلاوت سے عاری اور دعائیں ثمرہ قبولیت سے بے بہرہ ہیں۔ نہ ہماری نمازیں ہمیں فحش و بے حیائی سے روکتی ہیں نہ رات دن مانگی جانے والی دعاؤں کا کوئی اثر



ظاہر ہوتا ہے آخر ایسا کیوں ہے؟

اس کا سیدھا اور صاف جواب یہ ہے کہ ہماری نمازیں حقیقی اسپرٹ اور روح سے عاری ہیں۔ یہ محض ظاہری شکل و ہیئت اور مخصوص الفاظ کے تکرار کے حوالے سے نمازیں میں حقیقت یہ ہے کہ جس طرح روح کے بغیر جسم محض لاشہ ہے اور بے کار محض، اسی طرح نماز کی اصل اسپرٹ یعنی خشوع اور حضوری قلب کے بغیر نماز چند حرکات کا مجموعہ اور چند جملوں کی تکرار ہے اور بس! ظاہر ہے محض زبان و جسم کی چند حرکات سے حقیقی نماز کے ثمرات حاصل نہیں ہو سکتے۔ بقول کسے ہم مصنوعی نمازوں سے حقیقی نمازوں کے اثرات کی توقع رکھتے ہیں۔ ہم نماز کی محض نقل اتارتے ہیں مگر توقع یہ رکھتے ہیں کہ اس نقل سے وہ فوائد حاصل ہوں جو اصل نماز سے ہوتے ہیں۔

نمازیوں کی بہت بڑی اکثریت کو سرے سے معلوم ہی نہیں کہ وہ نماز میں کیا پڑھتے ہیں اپنے رب سے کیا سرگوشیاں کرتے ہیں گویا نماز محض رسمایا عادتاً پڑھی جاتی ہے اس کی حقیقت سے ہم واقف ہی نہیں۔ جو لوگ مقصد نماز سے آگاہ ہیں اور نماز کے اذکار و اوراد کا مفہوم و معنی سمجھتے ہیں ان کی اکثریت کا حال بھی یہ ہے کہ زندگی تضادات اور منافقتوں سے پر ہے۔ نہ نیت میں اخلاص کی خوشبو، نہ عمل میں ذوق و شوق کی چاشنی، روزی کو لیس تو حرام یا مشکوک، زبان کو دیکھیں تو جھوٹ اور غیبت میں ملوث، آنکھیں خیانت کی



عادی، کان شب و روز فحش و بے حیائی کے الفاظ و کلمات سننے میں مصروف۔  
دل دنیا اور دنیا کی چیزوں کی محبت میں اس بری طرح گرفتار کہ ادھر نماز کے  
لیے کھڑے ہوئے ادھر خیالات و وساوس کا لشکر حملہ آور ہو گیا۔ اندریں  
حالات نماز آنکھوں کی ٹھنڈک بنے تو کیسے اور اس میں لذت و حلاوت محسوس  
ہو تو کیونکر؟

قرآن پاک کی رو سے اور احادیث طیبہ کی روشنی میں یہ بات قطعی  
طور پر کہی جاسکتی ہے کہ نماز کی روح اس کا خشوع ہے۔ خشوع کیا ہے؟  
خشوع یہ ہے کہ

(1) نمازی کے جسم سے عاجزی و انکساری کا اظہار ہو رہا ہو وہ اس طرح  
ہاتھ باندھے، سر جھکائے، بے حس و حرکت اور مودب کھڑا ہو جس  
طرح ایک نافرمان غلام اپنے عظیم آقا کے سامنے شرمندہ اور لرزاں و  
ترساں کھڑا ہوتا ہے۔

(2) اس کی آواز پست ہو، زبان سے جو الفاظ و کلمات نکل رہے ہوں ان سے  
بھی عجز و انکسار کا شعوری اظہار ہو رہا ہو۔ جیسے اپنے اعمال پر ندامت و  
شرمندگی کا اظہار کر کے معافی مانگ رہا ہو اور آقا سے راضی ہونے کی  
درخواست کر رہا ہو۔

(3) اس کے دل و دماغ پوری یکسوئی سے اپنے آقا کی طرف متوجہ ہوں۔ ایسا  
محسوس ہو کہ وہ اپنے گرد و پیش کی صورت حال سے بالکل بے خبر ہے۔



اس کے سامنے اس کا آقا ہو اور بس! اس کی پوری توجہ سمت سمت سمٹا کر بس اسی ایک نکتے پر مرکوز ہو گئی ہو۔

مندرجہ بالا تینوں اجزاء کے ملنے سے جو کیفیت بنتی ہے یہی خشوع ہے اور یہی نماز کی جان ہے یہی وہ چیز ہے جو ہماری نمازوں سے غائب ہوتی ہے اور اسی کے غیب کی وجہ سے ہماری نمازیں اپنے ثمرات سے محروم رہتی ہیں۔ یہی خشوع ہماری اس کتاب کا موضوع ہے۔

جہاں تک نماز کے ظاہری اعمال مثلاً طہارت، رکوع و سجود اور اذکار کا تعلق ہے ان کے بارے میں عام لوگ کافی معلومات رکھتے ہیں۔ اردو میں چھوٹی بڑی بے شمار کتب، جن میں درسی کتب بھی شامل ہیں ہر جگہ دستیاب ہیں اور لوگ ان سے استفادہ کرتے رہتے ہیں لیکن ایسی کتب جن سے نماز کے باطنی آداب معلوم ہوں بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ بس نماز کی کتابوں میں فقہی مسائل کے بیان کے دوران ہی پچ پچ میں کہیں کوئی بات بر سبیل تذکرہ آجائے تو آجائے۔

’باطنی آداب‘ کے الفاظ سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہم کسی باطنی یا مخفی علم کی بات کرنے چلے ہیں۔ ہماری مراد اعمال کی ظاہری شکل کے مقابلے میں باطنی پہلو سے ہے آپ اسے عمل کی سپرٹ بھی کہہ سکتے ہیں گویا ہم نے باطنی پہلو سے اخلاص نیت، قلبی کیفیت اور دل کی حضوری مراد لی ہے جسے عام آدمی نظر انداز کر دیتا ہے کیونکہ ظاہر بین نظر وہاں تک پہنچتی ہی



نہیں حالانکہ اصل اہمیت اسی کی ہوتی ہے۔

ہم نے قرآن پاک اور احادیث طیبہ سے نیز اکابرین امت کے رشحات فکر سے..... کہ خیر کے منابع یہی ہیں..... استفادہ کر کے خشوع کا مفہوم معلوم کرنے اور اس کے حصول کی تدابیر متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ ظاہر ہے یہ محض منزل کی نشاندہی اور عمل کی ترغیب ہے اصل چیز ہر شخص کا اپنا عمل ہے اور اس کے نتیجہ خیز ہونے کا دار و مدار اس کے اخلاص نیت، ہمت و کوشش اور بالآخر توفیق الہی پر ہے۔

نماز کو درست کرنے اور سنوارنے کا عمل ایک کوشش پیہم ہے، ایک مجاہدہ ہے، خوب سے خوب تر کی طرف ایک سفر ہے۔ اس سفر میں کوئی مقام ایسا نہیں جہاں پہنچ کر آدمی مطمئن ہو جائے اور پکاراٹھے کہ میں نے اپنی منزل پالی ہے۔ آئیے اس مجاہدے کے لیے کمر کس لیں۔

واللہ الموفق،

اسحق،

۱۱ اپریل ۱۹۹۷ء



چونکہ دران استیلاں اور الگ الگ ہیں

کہ ستمانی دیکھا کہ یہ شہر ہوا اس پان آرتی کے

کہ اس وقت اس وقت کے ہونے کے ساتھ کہ

یہ ستمانی دیکھا کہ یہ شہر ہوا اس پان آرتی کے

یہ ستمانی دیکھا کہ یہ شہر ہوا اس پان آرتی کے

یہ ستمانی دیکھا کہ یہ شہر ہوا اس پان آرتی کے

یہ ستمانی دیکھا کہ یہ شہر ہوا اس پان آرتی کے

یہ ستمانی دیکھا کہ یہ شہر ہوا اس پان آرتی کے

یہ ستمانی دیکھا کہ یہ شہر ہوا اس پان آرتی کے

یہ ستمانی دیکھا کہ یہ شہر ہوا اس پان آرتی کے

یہ ستمانی دیکھا کہ یہ شہر ہوا اس پان آرتی کے

یہ ستمانی دیکھا کہ یہ شہر ہوا اس پان آرتی کے

یہ ستمانی دیکھا کہ یہ شہر ہوا اس پان آرتی کے

یہ ستمانی دیکھا کہ یہ شہر ہوا اس پان آرتی کے



# پہلا باب

## خشوع کی اہمیت

خشوع کا مفہوم

خشوع کی اہمیت

نماز کی حقیقت

ایک عجیب نکتہ

’باخشوع‘ اور ’بے خشوع‘ نماز کا فرق



## خشوع کا مفہوم

عربی زبان میں خَشَعَ يَخْشَعُ جھک جانے، دب جانے اور عاجزی و انکساری کے اظہار کو کہتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں خَشَعَ الْبَصْرُ نِگاہ جھک گئی۔ خَشَعَ الصَّوْتُ آواز پست ہو گئی قرآن پاک میں ہے۔

وَ خَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ (طہ 108) اور آوازیں خدا کے سامنے پست ہو جائیں گی۔

یہی خشوع کا لفظ سورہ المؤمنون میں بامر اد نمازیوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ  
(فلاح پائی ان اہل ایمان نے جنہوں نے اپنی نماز میں خشوع اختیار کیا)  
(المؤمنون 2-1)

یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا احساس کر کے عاجزی و انکساری اختیار کی اپنے رویے سے بے چارگی اور مسکینی کا اظہار کیا۔

عاجزی و انکساری اور اظہار نیاز مندی کی دو صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ جسم اور اس کے اعضاء سے اس کا اظہار ہو مثلاً حرکات ختم ہو جائیں جسم ڈھیلا پڑ جائے۔ نگاہ نیچی اور آواز پست ہو جائے۔ جو الفاظ زبان سے نکلیں ان سے بھی ذلت اور مسکینی ظاہر ہو یوں محیثیت مجموعی جسم سے عجز و انکسار، سکون اور ہیبت زدگی کا اظہار ہو رہا ہو۔ یہ خشوع کا ظاہری پہلو



ہے آپ اسے جسم کا خشوع بھی کہہ سکتے ہیں۔  
 دوسرے پہلو کا تعلق انسان کے باطن یعنی دل و دماغ سے ہے۔  
 مطلوب یہ ہے کہ جس طرح نمازی کے جسم سے عجز و انکسار کا اظہار ہو رہا ہے  
 اسی طرح دل بھی اللہ کی طرف جھکا ہوا ہو اللہ کے جلال اور عظمت سے لبریز  
 ہو اور ہر طرف سے ہٹ کر اسی کی طرف متوجہ ہو۔

اس طرح ظاہری اور باطنی خشوع کے ملنے سے وہ مکمل یکسوئی اور  
 حضوری کی کیفیت پیدا ہوگی جو دراصل نماز میں مطلوب ہے اور جسے سورہ  
 المؤمنون کی مندرجہ بالا آیت میں کامیاب نمازیوں کے نمایاں وصف کے طور  
 پر بیان کیا گیا ہے۔

خشوع کی حقیقت سمجھنے کے لیے غلام اور آقا کی مثال جس کا پہلے  
 بھی ذکر ہوا دوبارہ ذہن میں تازہ کر لیں۔ اگر نافرمان اور خدمت سے بھاگا ہو  
 غلام پکڑا ہو آجائے اور مالک کے حضور پیش کیا جائے تو اس کی حالت کیسی ہو  
 گی؟ وہ ڈر رہا ہو گا اس کے جسم و جان پر ہیبت طاری ہوگی، عاجزی و مسکینی کا  
 مجسمہ ہوگا، رحم و کرم کا طالب ہوگا۔ اس کے سامنے بس ایک ہی بات ہوگی  
 کہ دیکھیں اب میرے بارے میں کیا حکم ہوتا ہے۔ زیادہ بولنے کے جرات ہی  
 نہ ہوگی اگر بولے گا تو یہی کہے گا کہ میرے آقا میں قصور وار ہوں اپنی غلطیوں  
 کا اعتراف کرتا ہوں مجھے معاف کر دیجئے۔ آپ معاف نہیں کریں گے تو  
 برباد ہو جاؤں گا۔ کچھ اسی طرح کے احساسات نمازی کے ہونے چاہئیں۔



مذکورہ غلام پر بلاشبہ آقا کی ہیبت چھائی ہوئی ہوگی لیکن تنہا ہیبت ہی نہیں ہوگی اور جذبات بھی ہوں گے مثلاً

### (1) محبت و دلی تعلق

غلام کو اپنے آقا سے اس کی عنایات اور احسانات کی وجہ سے محبت بھی ہوتی ہے کیونکہ محسن سے دلی تعلق فطری چیز ہے۔

### (2) آقا کی عظمت کا احساس

غلام کو احساس ہوتا ہے کہ اس کا آقا عزت و وقار اور جاہ و حشمت کا مالک ہے اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے تھی اس خیال سے اسے اپنے کئے پر شرمندگی اور ندامت کا احساس ہوتا ہے۔

### (3) شرم و حیاء

وہ سوچتا ہے میں نے بے شرمی و بے حیائی کا مظاہرہ کیا ہے ایسے مہربان آقا کی نافرمانی کر کے میں نے خدا و خلق خدا کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل کیا ہے۔ کاش میں ایسا نہ کرتا۔ وہ دل ہی دل میں اپنے آپ کو ملامت کرتا اور آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کا ارادہ کرتا ہے۔

### (4) امید و رجاء

اگرچہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے اور آقا کی ہیبت اور ایک طرح کا خوف بھی ہوتا ہے مگر وہ بالکل مایوس بھی نہیں ہوتا نہ امید کا دامن



ہاتھ سے چھوڑتا ہے۔ اسے توقع ہوتی ہے کہ آقا سے معاف کر دے گا اور اس کی غلطی سے درگزر کرے گا۔  
(احیاء العلوم)

بالکل یہی حال نمازی کا نماز کے دوران ہونا چاہیے۔ اللہ کی عظمت و ہیبت کے ساتھ محبت و دلی تعلق بھی ہوتا ہے۔ اپنے گناہوں پر احساس ندامت کے ساتھ یہ امید بھی ہوتی ہے کہ اللہ کی غفور و رحیم ذات اسے معاف کر دے گی کیونکہ معاف کرنا اسے پسند ہے اس نے معافی مانگنے کا طریقہ بھی خود ہی بتا دیا ہے بلکہ وہ الفاظ بھی سکھائے ہیں جن کے ذریعے مانگنے والا محروم نہیں رہتا۔

غور کیجئے یہ کتنی بڑی بات ہے۔ شہنشاہ نے اپنے غلاموں کو خود ہی بتا دیا ہے کہ اگر مجھ سے کچھ حاصل کرنا ہے تو فلاں فلاں موقع پر ان الفاظ کے ساتھ سوال کرنا۔ کیا اس کا سیدھا اور صاف یہی مطلب نہیں کہ وہ داتا عطا کرنا اور نوازنا چاہتا ہے۔ سبحان اللہ کیسی اپنائیت بلکہ 'دل ربائی' ہے۔  
آمد بر سر مطلب، جس کیفیت کو خشوع کہتے ہیں اس کی حقیقت یہ

ہے:

(1) نمازی کا جسم ساکن ہو اس سے عاجزی، انکساری اور ہیبت زدگی ظاہر

ہو رہی ہو۔

(2) زبان سے مالک کی عظمت و کبریائی اور اپنی نالائقی کا عاجزانہ اظہار ہو

رہا ہو اور

(3) دل و دماغ بھی اس کی عظمت سے لبریز ہوں اور پوری یکسوئی سے اسی کی

طرف متوجہ ہوں۔



## خشوع کی اہمیت

امام غزالیؒ کہتے ہیں جس طرح نماز کے دوران ادھر ادھر دیکھنے سے اور مڑنے سے نماز ختم ہو جاتی ہے اسی طرح نمازی کا دل اگر اللہ رب العزت کی طرف سے مڑ کر ادھر ادھر دوسری چیزوں کی طرف متوجہ ہو جائے تو خشوع ختم اور نماز بے کار اور بے ثمر ہو جاتی ہے۔

واضح رہے کہ یہ خشوع ہی نماز کی اصل خوبی ہے۔ اسے ہم نماز کی روح بھی کہہ سکتے ہیں۔ جس طرح انسان روح کے بغیر محض ایک لاشہ، مٹی کا ڈھیر اور بیکار محض ہے اسی طرح نماز خشوع کے بغیر نہایت ناقص بلکہ چند حرکات کا مجموعہ ہے۔ نماز کے ثمرات ہمیں اسی لیے حاصل نہیں ہوتے کہ ہم اسے محض عادتاً یا رواجاً پڑھتے ہیں اور اس سے خشوع کا اہم عنصر غائب یا تقریباً غائب ہوتا ہے جیسا کہ عرض کیا گیا روح کے بغیر جسم کی کیا اہمیت ہے۔ بے روح نماز کو بے اثر اور بے ثمر ہونا ہی چاہیے۔

قرآن پاک کی مشہور آیت ہے۔

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ

(العنکبوت 45)

یعنی نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ اب اگر ہماری نمازوں سے یہ نتیجہ اور فائدہ ظاہر نہیں ہو رہا تو اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہماری نمازیں بے روح اور بے جان ہیں۔



امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ عراق میں بارشیں نہ ہوئیں۔ لوگ خشک سالی اور قحط سے پریشان اور بے حال ہو گئے۔ آخر اکٹھے ہو کر شہر سے باہر نکلے تاکہ نماز استسقاء پڑھیں۔ قریب کے قبرستان سے ایک مجذوب فقیر نکلا اور پوچھا کیا ماجرا ہے لوگ کیوں جمع ہو رہے ہیں۔ لوگوں نے کہا ہم بارش کے لیے دعا کرنے نکلے ہیں۔ اس نے کہا ”سنو! کھوٹے سکے نہ چلایا کرو، پرکھنے والا بڑا اپنا ہے۔“

توبات یہ ہے کہ ہمارے اعمال کھوٹے، دعائیں اخلاص سے عاری اور نمازیں بے روح اور بے جان ہیں۔ محض اٹھک بیٹھک سے اتنا عظیم الشان نتیجہ کہ مالک راضی ہو جائے۔ رذائل اخلاق سے نجات مل جائے اور کیریٹر کی قوت حاصل ہو جائے کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔ ع

اس خیال است و محال است و جنوں

## نماز کی حقیقت

قرآن حکیم میں ہے

اقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي (طہ-14)

(نماز قائم کرو میری یاد کے لیے) گویا نماز سے مقصود اللہ کی یاد ہے

تو جب نماز بے سوچے سمجھے پڑھی جائے..... اس طرح کہ نہ مفہوم و معنی معلوم ہونہ دل کی حضوری و یکسوئی حاصل ہو تو پھر اسے یاد کیونکر کہا جاسکتا



ہے اسے تو غفلت کہنا چاہیے جو کہ یاد کی ضد ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

إِنَّمَا الصَّلَاةُ تَمَسْكُنُ وَتَوَاضِعُ وَتَبَاوُسُ وَ أَنْ تَرْفَعَ يَدَيْكَ فَتَقُولَ اللَّهُمَّ اللَّهُمَّ وَمَنْ لَمْ يَفْعَلْ فَهِيَ

خِدَاجٌ (ترمذی)

(نماز تو مسکینی، تواضع، تضرع، اور بے چارگی کے اظہار کا نام

ہے اور اس بات کا کہ تو اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر یارب یارب

کہے جو اس طرح نہ کرے اس کی نماز ناقص ہے)

اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ نماز کی حقیقت دل کی حاضری اور اظہار

عجز و نیاز ہے اگر نماز سے یہ چیز خارج کر دی جائے تو باقی کیا رہ جاتا ہے۔

## ایک عجیب نکتہ

امام غزالیؒ نے احياء العلوم میں ایک عجیب نکتہ بیان کیا ہے۔ کہتے

ہیں کہ نماز کے علاوہ دیگر عبادات میں اگر توجہ کی یکسوئی اور دل کی حضوری نہ

بھی ہو تو بھی وہ عبادات بامعنی ہو سکتی ہیں کیونکہ ان سے نفس کو مشقت اور

تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور مومن کی آزمائش متحقق ہو جاتی ہے مثلاً

روزے کو لیجئے اگر روزہ دار روزے کے فلسفے اور حقیقت سے غافل بھی ہو تو

محض فاقے سے بھی نفس کو تکلیف ہوتی ہے اور پورا جسمانی نظام متاثر ہوتا

ہے۔ حج میں مناسک کی ادائیگی میں خاصی بھاگ دوڑ اور مشقت ہوتی ہے اور



مال بھی خرچ ہوتا ہے اور یہ دونوں چیزیں آزمائش کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہی حال جہاد کا ہے۔ زکوٰۃ اور قربانی میں مال خرچ کرنا پڑتا ہے اخلاص نیت ہو یا نہ ہو نفس پر اس کی زد بہر حال پڑتی ہے۔

ان عبادات کے برعکس نماز مناجات ہے، دلی توجہ کے ساتھ اظہارِ عجز و نیاز ہے اور یہی وہ چیز ہے جس میں انسان کی آزمائش ہے اور جو نفس کے لیے مجاہدے کی حیثیت رکھتی ہے۔ باقی رہے قیام اور رکوع و سجود تو چند منٹ کی ان حرکات میں کیا مشقت اور کیا امتحان ہے۔ کچھ بھی نہیں۔ بار بار کی تکرار سے ان کی بھی عادت ہو جاتی ہے اور بسہولت ادا ہو جاتی ہیں۔

## باخشوع اور بے خشوع نماز کا فرق

پس خشوع ہی روح نماز ہے۔ اس کی بہت فکر ہونی چاہیے آپ نے کبھی غور کیا کہ خشوع والی اور بغیر خشوع کے نماز میں کیا فرق ہوتا ہے؟ آئیے دیکھتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں یہ فرق کس طرح سمجھایا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے نماز کو اس کے وقت پر پڑھا، سنوار کر وضو کیا، اطمینان سے رکوع اور سجدے کئے اور خشوع کا پورا خیال رکھا تو وہ نماز روشن ہو کر اوپر چڑھتی ہے اور دعا کرتی ہے کہ خدا تیری حفاظت کرے جس طرح تو نے میری حفاظت کی ہے۔

(اس کے برعکس) جس شخص نے نماز کو بے وقت پڑھا نہ وضو سنوار کر کیا نہ رکوع و سجود اطمینان سے کئے نہ خشوع کا پورا خیال رکھا تو یہ نماز سیاہ



رنگ۔<sup>۴۴</sup> ہو کر اوپر جاتی ہے اور کہتی ہے خدا تجھے برباد کرے جس طرح تو نے مجھے برباد کیا۔ پھر جب وہ وہاں پہنچتی ہے جہاں خدا کو منظور ہوتا ہے تو اسے کپڑے کی طرح لپیٹ کر واپس اس نمازی کے منہ پر دے مارا جاتا ہے۔

(طبرانی)

اس حدیث سے 'باخشوع' اور 'بے خشوع' نماز کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے قیام، رکوع، سجود وغیرہ اعمال تو دونوں صورتوں میں موجود ہیں۔ پس فرق اگر ہے تو کیفیت، اطمینان اور حضوری دل کا ہے اور یہی خشوع ہے اور اسی چیز نے ایک نماز اور دوسری نماز میں زمین و آسمان کا فرق پیدا کر دیا ہے۔ ایک اگر بلندی درجات اور قرب الہی کا ذریعہ ہے تو دوسری بربادی و نامرادی کا سبب۔

خشوع والی نماز کی فضیلت پر ایک مختصر حدیث اور سنئے  
 ”جو شخص دور کعتیں اس طرح پڑھے کہ دل میں دنیا کے خیالات نہ آنے دے تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔“ (مسند احمد)

یعنی حضوری دل کے ساتھ پڑھے گئے صرف دو نفل نامہ اعمال کی تمام سیاہی دھو ڈالتے ہیں۔ نماز کی فضیلت اور خشوع کی اہمیت پر اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

<sup>۴۴</sup> نماز کے سیاہ رنگ ہونے سے مراد اس کا نور و برکت سے عاری ہونا ہے۔



# دوسرا باب

## خشوع کی تدابیر

سنوار کر وضو کرنا

پر خلوص کوشش

عاجزی و انکساری کا اظہار

تضرع پیدا کرنے کی کوشش

یکسوئی و انہماک

آخرت کی پیشی اور جزاء و سزا کا استحضار

قرآنی آیات میں تدبر

تعدیل ارکان

نماز میں تیز رفتاری سے چھٹکارا کیونکر؟

الوداعی نماز کا احساس

غیر ضروری حرکات سے اجتناب

ہنگامی ضروریات سے فراغت



یہ تو تھا خشوع کی اہمیت و فضیلت کا مختصر جائزہ۔ آئیے اب موضوع کے اس پہلو پر غور کریں کہ نماز میں خشوع پیدا کرنے کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں۔ چند نکات اور تصریحات پیش خدمت ہیں

## پہلی تدبیر ..... سنوار کر وضو کرنا

وضو نماز کے لیے پیش شرط بھی ہے اور بجائے خود عبادت بھی حدیث میں ہے کہ وضو کرنے سے ہاتھ پاؤں اور چہرے وغیرہ کے گناہ جھڑ جاتے ہیں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں ”جب بندہ مومن وضو کرنا شروع کرتا ہے تو کلی کرنے پر اس کے منہ کے گناہ نکل جاتے ہیں، ناک جھاڑتا ہے تو ناک کے گناہ خارج ہو جاتے ہیں، چہرہ دھوتا ہے تو چہرے کے گناہ آنکھوں کی پلکوں کے نیچے سے نکل جاتے ہیں اسی طرح جب ہاتھ دھوتا ہے تو دونوں ہاتھوں کے گناہ ناخنوں کے نیچے سے نکل جاتے ہیں (علیٰ ہذا القیاس) سر دھونے سے سر کے گناہ اور پاؤں دھونے سے پاؤں کے گناہ ناخنوں کے نیچے سے نکل جاتے ہیں۔“

(موطائمام مالک)

مطلب یہ ہوا کہ سنوار کر وضو کرنے سے انسان کا صرف ظاہر ہی پاک نہیں ہوتا اس کا باطن بھی گناہوں کے اثرات سے پاک صاف ہو جاتا ہے اور بندہ بارگاہ رب العزت میں حاضری کے لائق ہو جاتا ہے پس وضو خوب سنوار کر کرنا چاہیے۔



## سنوار کر وضو کرنے سے کیا مراد ہے؟

سنوار کر وضو کرنے سے مراد یہ ہے کہ وضو میں ان آداب و شرائط کی پاسداری کی جائے جن کا احادیث میں ذکر آیا ہے ذیل میں ان کا خلاصہ تحریر کیا جاتا ہے:

- (1) سب سے پہلے ظاہری و باطنی طہارت حاصل کرنے کی نیت کی جائے۔
- (2) بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھا جائے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص بسم اللہ نہ پڑھے اس کا وضو نہیں ہوتا۔
- (3) دونوں ہاتھ اچھی طرح دھوئے جائیں کہ انہی سے بعد میں سارے اعضاء دھونے ہیں انگلیوں کا خلال کیا جائے۔ انگوٹھی پہنی ہو تو اسے ہلا لیا جائے۔
- (4) گلی کر کے منہ کے اندر کا حصہ صاف کیا جائے۔ دانتوں کو مسواک سے صاف کیا جائے۔ منہ کو اس لیے صاف کرنا ہے کہ اس سے قرآن پاک کی تلاوت کرنی ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنی ہے۔
- (5) ناک میں پانی ڈال کر اندر کا حصہ اچھی طرح صاف کیا جائے۔ یہ عمل تین مرتبہ کیا جائے۔
- (6) پورا چہرہ پیشانی سے لیکر ٹھوڑی کے نچلے حصے تک اور دائیں کنپٹی سے بائیں تک دھویا جائے۔ ڈاڑھی کا خلال کیا جائے۔ آنکھوں کا میل وغیرہ صاف کیا جائے اس حدیث کو ذہن میں لایا جائے کہ قیامت کے روز نمازیوں کے چہرے روشن ہوں گے۔
- (7) کہنیوں سمیت دونوں کلائیوں دھوئی جائیں۔ کہنیوں کے کونے پچھلی



- جانب سے بعض اوقات خشک رہ جاتے ہیں اس کا خیال رکھا جائے۔
- (8) سر کا مسح کیا جائے۔ چونکہ ہر وضو کے ساتھ سر دھونے میں تکلیف اور زحمت تھی اس لیے مسح کی اجازت دے دی گئی۔ کانوں میں گیلی انگلیاں ڈال کر پھیر لی جائیں۔ یہ گویا مشین کی (Oiling) ہے۔
- (9) دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے جائیں۔ انگلیوں کا خلال کیا جائے۔ یڑیوں کے پچھلے حصے کا خاص خیال رکھا جائے کہ کہیں خشک نہ رہ جائیں۔ یہ کل نو عمل ہیں۔ ان سب کو اسی ترتیب سے تین تین بار کرنا ہے ماسوائے مسح کے کہ اس کا ایک مرتبہ کرنا ہی کافی ہے۔
- (10) آخری اور تکمیلی عمل یہ ہے کہ آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر یہ دُعاء پڑھی جائے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهُ، لَا شَرِيكَ لَهُ، وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ، وَ رَسُوْلُهُ۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ عمل کرے اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس میں سے چاہے داخل ہو جائے۔
- یہ تو صحیح مسلم میں ہے اور ترمذی میں ہے کہ یہ دُعاء بھی پڑھے۔
- اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَابِيْنِ وَ اجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ
- (اے اللہ مجھے ان لوگوں میں شامل فرما جو بہت زیادہ توبہ کرنے والے اور بہت زیادہ پاک صاف رہنے والے ہیں)
- متعدد احادیث جن میں نماز کی عظمت اور فضیلت بیان کی گئی ہے ان میں سنوار کر وضو کرنا شامل مضمون کیا گیا ہے گویا یہ بھی عبادت کا حصہ ہے طبرانی کی ایک حدیث کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں ”جس شخص نے نماز



کو اس کے وقت پر پڑھا وضو سنوار کر کیا رکوع اور سجدے اطمینان سے کئے، خشوع کا پورا خیال رکھا تو وہ نماز روشن ہو کر اوپر چڑھتی ہے اور دعا کرتی ہے کہ خدا تیری حفاظت کرے جس طرح تو نے میری حفاظت کی..... الخ بعض دوسری احادیث میں اس سے بھی زیادہ دو ٹوک اور زور دار انداز اختیار کیا گیا ہے۔

مَنْ تَوَضَّأَ وَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ وَصَلَّى رَكَعَتَيْنِ لَمْ يُحَدِّثْ فِيهَا بِشَيْءٍ غَفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ (جو شخص وضو کرے اور خوب سنوار کر کرے پھر دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ دنیا کی کوئی بات دل میں نہ لائے اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔)

معلوم ہوا کہ ایسی انقلابی نماز جس سے نمازی کے تمام سابقہ گناہ معاف ہو جائیں ایسے ہی وضو سے پڑھی جاسکتی ہے جو مسنون طریقے پر اور خوب سنوار کر کیا گیا ہو یعنی اس میں تمام آداب و شرائط کو ملحوظ رکھا گیا ہو۔ مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عمدہ نماز کے لیے عمدہ وضو ضروری ہے جس طرح کہ مضبوط عمارت کیلئے مضبوط بنیاد فراہم کرنا ضروری ہوتا ہے جب وضو کامل طریقے سے اور عمدگی سے کیا جائے گا تب ہی نماز میں دل لگے گا اور خشوع پیدا ہوگا اور نماز کے ثمرات حاصل ہوں گے ناقص وضو کے ساتھ جو نماز پڑھی جائے گی اس میں ذہن پر اگندہ رہے گا اور دل میں وساوس کی بھرمار ہوگی۔

اس گفتگو سے کامل طہارت اور سنوار کر وضو کرنے کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔



## دوسری تدبیر

پر خلوص کوشش

قرآن پاک میں ہے۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ

الْمُحْسِنِينَ

(العنكبوت 69)

(جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنے راستوں پر ضرور چلا دیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ ایسے خلوص والوں کے ساتھ ہے)

جب طلب سچی اور رکوع کوشش پر خلوص ہو تو اللہ کی مدد شامل حال ہو جاتی ہے اور جتنا اخلاص زیادہ ہو اتنا ہی اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی نصرت اور توفیق زیادہ دستگیری کرتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ کے متعلق ہمارا جس طرح کا گمان ہوتا ہے اور اس کے ساتھ جیسا معاملہ ہوتا ہے وہ بھی اسی طرح کا معاملہ ہمارے ساتھ کرتا ہے۔ رسمی یا منافقانہ طرز عمل باہمی انسانی تعلقات میں تو شاید چل جائے مگر اس ذات کے ساتھ جو ہماری سوچ اور نیتوں سے واقف ہے ظاہر ہے نہیں چل سکتا۔ عراق کے مجذوب صوفی کا قول پھر یاد آ گیا جس نے رسمی دعا و استغفار اور رسمی نماز پر طنز کرتے ہوئے کہا تھا ”سنو،



کھوٹے سکے نہ چلایا کرو پر کھنے والا بڑا بیٹا ہے۔“ ہاں، جو اخلاص کے ساتھ اس کی طرف بڑھے اس کا ہاتھ وہ ضرور تھام لیتا ہے بلکہ رسول کریم ﷺ کے بقول جو اس کی طرف چل کر آئے وہ اس کی طرف دوڑ کر آتا ہے پس کمر ہمت کس لیں اور کھری پونجی لے کر نکلیں انشاء اللہ مایوسی نہ ہوگی۔

آئیے ذرا تاریخ کی ورق گردانی کریں اور دیکھیں کہ رسول اللہ ﷺ اور خیر القرون کے بزرگوں کی نماز کیسی ہوتی تھی اور پھر اپنی نمازوں کا جائزہ لے کر انہیں سنوارنے کی فکر کریں!!

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے مالک کی رضا کے لیے رات کو اتنی دیر تک نماز پڑھا کرتے کہ آپ کے پاؤں مبارک پرورم آجاتا کہا گیا اے اللہ کے رسول آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں آپ تو معصوم ہیں، فرمایا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟ (بخاری)

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ایک شب حضور ﷺ میرے ہاں تشریف لائے۔ کچھ دیر بیٹھے باتیں کرتے رہے پھر فرمایا مجھے چھوڑو کہ اپنے رب کی عبادت کروں۔ پھر کھڑے ہو کر نماز شروع کر دی اور طویل نماز پڑھی۔ قراءت کے دوران ایسی رقت پیدا ہوئی کہ آپ رونے لگے اور اتنا روئے کہ آنسو بہہ بہہ کر آپ کے سینہ مبارک تک آگئے پھر رکوع میں گئے اور طویل رکوع کیا۔ اس دوران بھی روتے رہے۔ سجدے بھی طویل کئے اور ان میں بھی روتے رہے۔ سجدے سے سر اٹھایا تو اس وقت بھی روتے رہے۔ یہ



کیفیت جاری رہی حتیٰ کہ حضرت بلالؓ نے آکر نماز فجر کے لیے آپؐ کو آواز دی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپؐ اس قدر روتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ آپؐ کے اگلے پچھے گناہ معاف کر چکا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ (بخاری)

معصوم ہونے کے باوجود اس انداز کی عبادت رضائے الہی کی سچی طلب ظاہر کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کے طفیل ہمیں بھی عبادت کا یہ ذوق و شوق اور لگن عطا فرمائے۔ آمین

ابراہیم ادھمؒ کا شمار کبار اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ پہلے سلطنت و حکومت کے مالک تھے تخت و تاج کو لات مار کر فقر و زہد اختیار کر لیا۔ ساری ساری رات عبادت کرتے حتیٰ کہ درجہ کمال کو پہنچے ان کے اخلاص و لہیت کا یہ حال تھا کہ نماز سے فارغ ہوتے تو اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیتے کسی نے پوچھا ایسا کیوں کرتے ہیں۔ کہنے لگے ڈرتا ہوں کہیں میری نماز میرے منہ پر نہ مار دی جائے۔<sup>۴۴</sup>

<sup>۴۴</sup> اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جس کا مضمون یہ ہے کہ جو شخص نماز اطمینان اور توجہ سے نہ پڑھے اور رکوع و سجود ٹھیک طرح سے ادا نہ کرے، اس کی نماز اس کے منہ پر دے ماری جاتی ہے۔



## تیسری تدبیر

### عاجزی و انکساری کا اظہار

بندے کی طرف سے عاجزی و انکساری کا اظہار اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَالِهٰكُمۡ اِلٰهٌ وَّ اٰحِدٌ ۙ فَلَهٗۙ اَسْلِمُوۡا وَّ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيۡنَ ۝  
الَّذِيۡنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَّجَلَتْ قُلُوۡبُهُمۡۙ

(الحج 34, 35)

(پس تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے، اسی کے تم مطیع فرمان بنو اور  
اے نبی بشارت دے دو عاجزانہ روش اختیار کرنے والوں کو  
جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کا ذکر سنتے ہیں تو ان کے دل لرز  
جاتے ہیں)

سورہ ہود کی ایک آیت ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَّ عَمِلُوۡا الصّٰلِحٰتِ وَاٰخَبَتُوۡا اِلٰى رَبِّهِمۡ  
اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَۙ

(ہود 23)

(جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور اپنے رب کے  
لیے عاجزانہ روش اختیار کی وہ یقیناً جنتی لوگ ہیں جہاں وہ  
ہمیشہ رہیں گے)



اس طرح کی اور کئی آیات ہیں جن میں عاجزانہ روش اختیار کرنے والوں کی تعریف کی گئی ہے۔ تکبر شیوہ ابلیس اور عاجزی اسوہ آدم ہے لہذا ہمیں اپنے اذلی دشمن ابلیس لعین کے راستے پر چلنے کے بجائے اپنے باپ آدم کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔ ان سے جب بھول ہو گئی تو عاجزی و انکساری کے ساتھ مالک کے سامنے جھک گئے اور لگے معافیاں مانگنے کہ ”اے پروردگار ہم اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے اگر تو نے معاف نہ کیا اور رحم نہ فرمایا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔“ چنانچہ اللہ رب العزت نے ان کی خطا معاف کر دی۔

آنحضرت ﷺ کی تلقین کردہ دعائیں خصوصاً وہ دعائیں جو آپ نوافل میں رکوع و سجود میں پڑھتے تھے عاجزی و انکساری کا بہترین نمونہ ہیں مثلاً سجدے میں آپ سے یہ دعا پڑھنا مروی ہے :

اللَّهُمَّ سَجَدَ لَكَ سَوَادِي وَخِيَالِي وَآمَنَ بِكَ فَوَادِي  
 أَبْوَاءُ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَهَذَا مَا جَنَيْتُ عَلَى نَفْسِي يَا عَظِيمُ  
 يَا عَظِيمُ اغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذَّنُوبَ الْعَظِيمَةَ إِلَّا  
 الرَّبَّ الْعَظِيمُ.

(حصن حصین)

(اے اللہ میرا ظاہر اور باطن تیرے سامنے سجدہ کنال ہے۔ میرا دل تجھ پر ایمان لایا، مجھے تیری نعمتوں کا اعتراف ہے۔ یہ ہیں میرے گناہ جو میں نے اپنی جان پر کئے، اے عظمت والے اے سب سے بڑے مجھے بخش دے۔ تیرے سوا بڑے گناہوں کو اور کون بخش سکتا ہے اے عظمت والے پروردگار)



یا مثلاً وہ دعا جو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو تشدد میں پڑھنے کے لیے سکھائی تھی۔

اللَّهُمَّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ  
إِلَّا أَنْتَ فَاعْفِرْ لِي مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي إِنَّكَ  
أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ.

(بخاری)

(اے اللہ میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کئے ہیں اور گناہوں کو تیرے سوا کون معاف کر سکتا ہے پس میرے گناہوں کو معاف کر دے اور مجھ پر رحم فرما بے شک تو بہت بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔)

نماز ایک طرح کی دعا اور مناجات ہے اور یہ امر مسلم ہے کہ مناجات و دعا کی روح عاجزی و انکساری ہے اس کے بغیر دعا دعا ہی نہیں رہتی۔ ہم جب نماز میں اس طرح کی مسنون اور عاجزانہ انداز کی دعائیں شعوری طور پر پڑھیں گے تو امید قوی ہے کہ خشوع کی کیفیت ضرور پیدا ہوگی اور جس قدر یہ کیفیت زیادہ ہوگی اتنی ہی نماز موثر اور نتیجہ خیز ہوگی۔



## چوتھی تدبیر

### تضرع پیدا کرنے کی کوشش

عجز و انکسار جب زیادہ ہو جائے اور اس کی کیفیت گہری ہو جائے تو تضرع کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ تضرع چیخنے چلانے کو نہیں بلکہ ذلت عاجزی اور ضعف کے مضطربانہ اظہار کو کہتے ہیں اور یہ عام طور پر بندے کی طرف سے اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب وہ کسی سخت آزمائش سے دوچار ہو یا کوئی جسمانی یا ذہنی تکلیف و مصیبت اس پر اس طرح مسلط ہو جائے کہ اس سے چھٹکارا پانا بظاہر اس کے بس سے باہر ہو۔ اس وقت وہ فطری طور پر اپنے آپ کو کسی بڑی قوت کا سہارا لینے پر مجبور پاتا ہے اور اللہ رب العزت سے بڑی قوت اس کائنات میں اور کون سی ہو سکتی ہے۔

مومن جس کا توحید پر پختہ یقین ہوتا ہے وہ تو اپنے چھوٹے بڑے تمام امور میں ویسے بھی اللہ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے اور آفات و بلیات میں بھی اسی کے حضور گڑ گڑاتا ہے اور تضرع و الحاح کا اظہار کرتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے بارے میں حضرت عائشہؓ کی روایت ابھی آپ نے پڑھی کہ رات کے نوافل میں آپ کس طرح روتے تھے۔ یہی تضرع ہے اور یہی چیز نماز کو اور دعا کو قیمتی بناتی ہے۔



قرآن پاک اور احادیث طیبہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ بندے کی طرف سے اضطراب و تضرع کے اظہار سے رحمت باری تعالیٰ بطور خاص اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ چند آیات ملاحظہ ہوں۔

(1) اَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ

(النمل 62)

(کون ہے جو بے قرار کی دعا سنتا ہے جب کہ وہ اسے پکارے اور کون اس کی تکلیف رفع کرتا ہے؟)

(2) ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ

(الاعراف 55-56)

(اور پکارو اپنے رب کو گڑ گڑاتے ہوئے اور چپکے چپکے بے شک وہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔)

یہ اضطراب اور تضرع کے ساتھ پکارنا نماز کے اندر بھی ہو سکتا ہے اور نماز سے باہر عام دعا میں بھی۔ جو چیز قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ بندہ جب بھی دوسرے سب دروازے چھوڑ کر شہنشاہ کائنات کے دروازے پر آگرتا ہے اور اس انداز میں گڑ گڑاتا ہے جس کی جھلک مندرجہ بالا آیات میں نمایاں ہے تو رحمت حق ضرور اس کی دستگیری کرتی ہے اور اسے مایوس نہیں لوٹاتی۔



جو مانگنے کا طریقہ ہے اس طرح مانگو  
 در کریم سے بندے کو کیا نہیں ملتا  
 قرآن پاک میں اور نبی رحمت ﷺ کے ارشادات میں زندگی کے  
 مختلف پہلوؤں سے متعلق بہت خوبصورت اور موثر دعائیں موجود ہیں جن  
 میں تضرع کا رنگ نمایاں ہے۔ آپ ان میں سے حسب ذوق منتخب کر کے یاد  
 کر لیں اور موقع اور ضرورت کے مطابق پڑھیں اس سے عبادت میں جان  
 پڑے گی اور لذت و حلاوت محسوس ہوگی۔

یہ گڑگڑانا اور مضطربانہ انداز میں اللہ سے دستگیری کی درخواست کرنا  
 اتنی موثر اور زبردست چیز ہے کہ مومن تو مومن کفار و مشرکین کو بھی بعض  
 اوقات آفت و مصیبت سے بچا لیتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ مَنْ يُنَجِّكُمْ مِّنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ  
 تَضَرُّعًا وَ خُفْيَةً لِّئِنْ أَنْجَانَا مِنْ هَذَا لَنَكُونَنَّ مِنَ  
 الشَّاكِرِينَ ۝ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ  
 أَنْتُمْ مُشْرِكُونَ ۝

(الانعام 63-64)

(اے نبی ان سے پوچھو صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں کون  
 تمہیں خطرات سے بچاتا ہے؟ کون ہے جس سے تم (مصیبت  
 میں) گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو؟ کس سے کہتے ہو  
 کہ اگر اس بلا سے اس نے ہم کو بچالیا تو ہم ضرور شکر گزار ہوں



گے..... کہو یہ اللہ ہے جو تمہیں اس سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے پھر تم دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو) گویا گڑ گڑانے سے اور مضطربانہ انداز میں بار بار التجا کرنے سے رحمت باری تعالیٰ جوش میں آجاتی ہے اور کافر و مشرک تک اس سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ مومن تو پھر مومن ہے اس کے گڑ گڑانے سے رحمت ایزدی کا دروازہ کیوں نہ کھلے گا۔

## پانچویں تدبیر

### یکسوئی و انسہاک

جیسا کہ پہلے بھی بیان ہوا نماز دراصل غلام کی آقا کے دربار میں پیشی ہے اور آقا کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دنیا اور دنیوی امور کو بارگاہ ایزدی میں داخل ہونے سے پہلے باہر چھوڑ کر آئے، ان سے ذہن کو خالی کر کے آئے۔ تکبیر تحریمہ کی معنویت یہی ہے کہ اس سے گویا دنیوی کام حرام ہو جاتے ہیں۔ نمازی نے جب دونوں ہاتھ اٹھا کر ان سے دستکش ہونے کا اور اللہ کی بڑائی کا اعلان کیا تو گویا اللہ کے پاس تنہائی میں چلا گیا۔ یہ صورت حال یکسوئی اور انسہاک کا تقاضا کرتی ہے۔

رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام کا اور بعد کے بزرگوں میں سے جو



نماز کی کماحقہ ادائیگی کا اہتمام کرتے تھے ان کا طرز عمل ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کی نماز آنحضرت ﷺ کی نماز سے بہت مشابہت رکھتی تھی۔ آپ پر نماز کے دوران ایسی محویت اور استغراق طاری ہو جاتا کہ دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہو جاتے۔ قیام اتنا طویل اور پرسکون ہوتا کہ بالکل بے جان ستون معلوم ہوتے۔ رکوع و سجود اتنے طویل ہوتے اور ان میں یوں بے حس و حرکت ہو جاتے کہ بعض اوقات چڑیاں اڑ کر ان کی پشت پر آ بیٹھتی ہیں۔

انہوں نے یزید کی بیعت سے انکار کر کے حجاز میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ جب حجاج نے مکہ مکرمہ کا محاصرہ کر لیا اور حرم شریف پر سنگباری شروع کر دی تو اس نازک صورت حال میں بھی وہ کعبہ مشرفہ کے پاس نماز ادا کرنے سے گریز نہ کرتے۔ پھر ان کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے گرتے رہتے مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوتا اور وہ پورے انہماک سے نماز میں مشغول رہتے۔

حضرت عباد بن بشرؓ کا واقعہ بھی نہایت اثر آفرین اور عبرت آموز ہے جو مختصراً یوں ہے کہ کسی غزوہ سے واپسی پر رسول کریم ﷺ نے حضرت عباد بن بشرؓ اور عمار بن یاسرؓ کو لشکر اسلام کی حفاظت کے لیے رات کو جاگنے اور پہرہ دینے کا کام سپرد کیا۔ رات کا کچھ حصہ گزرا تو دونوں حضرات نے طے کیا کہ بیک وقت دونوں کے جاگنے کی ضرورت نہیں۔ نصف شب تک ایک سوئے اور دوسرا جاگ کر پہرہ دے پھر باقی رات دوسرا سوئے اور



پہلا جاگ کر پہرہ دے۔ اگر دشمن کی طرف سے حملے کا خطرہ ہو تو جاگنے والا سونے والے کو جگا دے۔

اس تقسیم کار کے بعد حضرت عمارؓ سو گئے۔ حضرت عبادؓ نے سوچا کیوں نہ ان لمحات سے فائدہ اٹھایا جائے اور مالک حقیقی کی بارگاہ میں نذرانہ مناجات پیش کیا جائے۔ چنانچہ وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی۔ پرسکون رات اور تنہائی کا عالم، ذکر الہی کے کیف و سرور نے ان کے دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ دشمن بھی گھات میں تھے۔ ان میں سے ایک شخص نے پہاڑی درے کی طرف سے تاک کر تیر پھینکا۔ چاندنی رات میں حضرت عبادؓ اسے نظر آگئے تھے۔ تیر نشانے پر لگا اور حضرت عبادؓ کے جسم سے خون کی دھاریہ نکلی۔ انہوں نے تیر کو نکال کر پھینک دیا اور نماز جاری رکھی۔ دشمن نے اپنے ترکش سے دوسرا تیر نکالا اور نشانہ باندھ کر چھوڑ دیا یہ بھی حضرت عبادؓ کے جسم میں پیوست ہو گیا اور خون کا فوارہ بہہ نکلا۔ انہوں نے تیر نکال کر پرے پھینک دیا اور نماز عشق جاری رکھی۔ تیسری مرتبہ پھر ایسا ہی ہوا۔ بالآخر جب نماز تکمیل کو پہنچی تو انہوں نے حضرت عمارؓ کو جگایا۔ وہ انہیں لہو لہان دیکھ کر دنگ رہ گئے اور کہا تم نے مجھے پہلے کیوں نہ جگا دیا۔ عبادؓ کہنے لگے میں سورہ کہف کی تلاوت کر رہا تھا۔ جی نہ چاہا کہ اسے مکمل کئے بغیر نماز ختم کر دوں۔ ادھر دشمن کو بھی اندازہ ہو گیا کہ یہ اکیلے نہیں ان کے ساتھ اور بھی ہیں تو پیچھے ہٹ گیا۔

یہ تھا صحابہ کرام کا نماز میں انہماک اور تلاوت قرآن کا ذوق و شوق!



## چھٹی تدبیر

### آخرت کی پیشی اور جزا و سزا کا استحضار

حصول خشوع کی ایک تدبیر یہ ہے کہ نماز کے دوران قیامت کے روز خدا کے سامنے پیش ہونے کا منظر مستحضر رکھا جائے اور ایسی آیات کی تلاوت کی جائے جن میں قیامت کی ہولناکی اور جزا و سزا کا تذکرہ ہو مثلاً میزان میں اعمال کا تولا جانا، مجرموں اور اہل جہنم سے خدا کی باز پرس، ان کا آپس میں مکالمہ اور مختلف قسم کی سزاؤں کا بیان وغیرہ۔ ایسی آیات جب شعوری طور پر پڑھی جائیں گی اور دھیان سے اور توجہ کی یکسوئی سے پڑھی جائیں گی تو نمازی کے دل و دماغ پر ان کا اثر ہوگا اور خشوع کی کیفیت پیدا ہوگی۔

سیرت کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ اپنی نمازوں میں خشوع پیدا کرنے کے لیے یہی تدبیر اختیار کیا کرتے تھے۔ یعنی ایسی آیات کی قراءت کرتے جن میں آخرت کے احوال کا تذکرہ ہوتا یوں طبیعت میں رقت پیدا ہو جاتی اور آپ رو پڑتے اور دوسروں کو بھی متاثر کرتے ایک مرتبہ نماز میں قراءت کے دوران جب اس آیت پر پہنچے :



وَ إِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا

(الفرقان 13)

(جس روز گنہگاروں کو زنجیروں میں جکڑ کر دوزخ کی ایک تنگ جگہ

میں ڈال دیا جائے گا تو موت موت پکاریں گے)

تو طبیعت پر اس قدر اثر ہوا اور ایسا خشوع طاری ہوا کہ رو کر ہچکی

بندھ گئی اور حالت غیر ہو گئی۔

ایک مرتبہ فجر کی نماز پڑھا رہے تھے اور سورہ یوسف کی تلاوت کر

رہے تھے جب اس آیت پر پہنچے جہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنے بیٹے

یوسف کی جدائی کا ذکر ہے تو بے اختیار ہو کر زار و قطار رونے لگے اور قرأت

جاری رکھنا مشکل ہو گیا مجبوراً رکوع میں چلے گئے۔ آیت یہ تھی :

وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسْفَىٰ عَلَىٰ يَوْسُفَ وَابْيَضَّتْ

عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ (یوسف 84)

(یعقوب ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے ”ہائے

یوسف“ وہ دل ہی دل میں غم سے گھٹے جا رہے تھے اور رو رو کر

ان کی آنکھیں سفید ہو گئی تھیں)



## ساتویں تدبیر

### قرآنی آیات میں تدبیر

تدبیر غور و فکر کرنے اور الفاظ کے مغز و معنی کی تفصیل پر دھیان دینے کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید شہنشاہ کائنات کا کلام ہے۔ اس میں ہمارے لیے ہدایت اور عبرت و نصیحت کا سامان ہے۔ ضروری ہے کہ اسے ٹھہر ٹھہر کر سنوار کر اور سمجھ کر پڑھا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ترتیل سے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

وَ رَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً (المزل 4)

(اے نبی قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو)

نیز متعدد مقامات پر اس کی آیات پر تدبیر کرنے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً

سورہ ص میں ہے۔

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ

وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ (ص 29)

(اے نبی یہ بابرکت کتاب ہم نے تمہاری طرف اس لیے

نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات پر تدبیر کریں اور عقل

والے اس سے سبق حاصل کریں)



آئیے دیکھتے ہیں کہ سورہ فاتحہ اور اس کے بعد پڑھی جانے والی آیات  
وَسُوْرٍ پَرِ نَمَازِی کُو کَس طَرَح تَدْبِر کَر نَاجَایِی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھیں تو یہ خیال کرنا چاہیے کہ اللہ  
تعالیٰ کی ذات سر اسر رحمت و محبت ہے مجھ پر اس کے جو بے شمار احسانات ہیں  
وہ صفت رحمت ہی کا نتیجہ ہیں۔ میں اپنی نماز کا آغاز اسی کے مبارک نام سے  
کرتا ہوں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ پڑھیں تو دو باتیں ذہن میں آنی چاہئیں  
ایک اللہ کی رب العالمینی کا خیال یعنی یہ خیال کہ کائنات میں ہزار ہا قسم کی  
جو ان گنت مخلوق ہے اس سب کا پرورش کرنے والا اور ان کی حفاظت کرنے  
والا تھا وہی ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر طرح کی حمد و ثنا کا تھا وہی مستحق ہے  
کیونکہ جہاں کوئی خوبی و کمال ہے وہ اسی کی عطا ہے۔

مَا لِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ اس آیت مبارکہ میں اظہار جلال ہے۔ ان الفاظ  
سے ذہن اس آیت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جس میں روز قیامت اللہ تعالیٰ  
کے جلال و ہیبت کا تذکرہ ہے جب تمام مخلوق اپنا حساب دینے کے لیے  
میدان حشر میں جمع ہوگی اور لرزاں و ترساں ہوگی تو ایک پر جلال آواز آئے  
گی۔ لِمَنْ الْمُلْكُ الْیَوْمَ (آج کس کی بادشاہت ہے؟) ہر تنفس ہیبت زدہ  
اور دم نخود ہوگا کوئی لب ہلانے کی جرأت نہ کرے گا۔ پھر وہی آواز آئے گی  
لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (آج اقتدار اور بادشاہت اس اللہ کی ہے جو زبردست



غلے والا ہے)

پس مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ پڑھتے وقت کل کی پیشی کا احساس ہونا چاہیے  
 اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَايَّاكَ نَسْتَعِينُ اے رب کائنات بھلا اور کون اس کا  
 مستحق ہے کہ یہ سر اس کے سامنے جھکایا جائے اور دست سوال دراز کیا جائے  
 میرا بلجاو ماویٰ تیری اور صرف تیری ذات پاک ہے۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ اے اللہ ہمیں سیدے راستے پر چلا جو  
 ہمیں تجھ تک پہنچا دے۔ 'ہدایت' ایک جامع لفظ ہے جسے ہدایت مل گئی اسے  
 سب کچھ مل گیا جو اس سے محروم رہا وہ گویا ہر بھلائی سے محروم رہا۔  
 صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ  
 وَلَا الضَّالِّينَ.

یہ 'ہدایت' کی وضاحت ہے۔ ہدایت وہ طرز عمل ہے جس کا  
 مظاہرہ انبیاء 'صدیقین' شہداء اور صالحین نے کیا۔ گمراہی وہ  
 طرز عمل ہے جس کا مظاہرہ کفار اور یہود و نصاریٰ نے کیا۔  
 اے پروردگار ہمیں اول الذکر گروہ کے راستے پر چلا دے اور  
 کافروں اور افراط و تفریط والوں کی راہ سے بچالے۔  
 آمین۔ اے اللہ یہ دعا قبول فرمالے۔

سورہ فاتحہ ختم ہوئی۔ اب آپ نے قرآن مجید کی کوئی اور سورت  
 ساتھ ملانی ہے۔ اسے بھی اسی طرح ٹھہر ٹھہر کر اطمینان سے پڑھیں اور



تدبر کرتے ہوئے آگے بڑھیں۔ آیات رحمت پر سے گزر رہو تو ذرا رک کر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے لطف و کرم کی دعا کریں۔ عذابِ آخرت کا ذکر آئے تو اللہ کے عذاب اور ناراضگی سے پناہ طلب کریں۔ رسول اکرم ﷺ اور بزرگانِ دین کا یہی طریقہ رہا ہے نیز جس طرح کا آیت کا مضمون ہو اس کے مطابق ہی پڑھنے والے کا لہجہ بھی ہونا چاہیے مثلاً جہاں عذاب کا یاد دہمکی کا انداز ہو وہاں نمازی اپنی آواز کو پست کر لے۔ اور لہجہ غمزہ آدمی کا سبنا لے۔

بعض آیات ایسی ہیں جن کا جواب دینے کا حکم ہے مثلاً سورۃ والتین و الزیتون پڑھتے ہوئے جب ہم اس آیت پر پہنچیں اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ (کیا اللہ احکم الحاکمین نہیں ہے؟) تو یہاں رک کر کہنا چاہیے بلیٰ (کیوں نہیں یقیناً ہے) یا مثلاً سورۃ الغاشیہ کے آخر میں جب ہم اس آیت پر پہنچیں اِنَّ اِلَيْنَا اِيَابُهُمْ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ (بالآخر انہیں ہماری ہی طرف پلٹنا ہے پھر ان کا حساب لینا ہمارے ہی ذمے ہے) تو اس موقع پر یہ کہنا آنحضور ﷺ سے ثابت ہے اَللّٰهُمَّ حَسْبِنِيْ حِسَابًا يَسِيْرًا (اے اللہ میرے حساب میں آسانی فرمانا)

اسی طرح بعض دوسری آیات کا جواب دینا بھی حدیث سے ثابت ہے تو بات ہو رہی تھی کہ آیات پر تدبر کس طرح کرنا ہے۔ ہم ایک اور مثال سے مزید وضاحت کریں گے۔ فرض کیجئے آپ سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ الفیل کی قراءت کرتے ہیں۔



أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۝ أَلَمْ يَجْعَلْ  
 كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۝ وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۝  
 تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ  
 مَّا كُوِّلَ ۝

(تم نے غور نہیں کیا تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے  
 ساتھ کیا کیا۔ کیا اس نے ان کی تدبیر کو اکارت نہیں کر دیا اور  
 ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیئے جو ان پر پکی ہوئی  
 مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے پھر ان کا یہ حال کر دیا جیسے  
 جانوروں کا کھایا ہوا بھوسا ہو)

اب آپ ایک ایک آیت پڑھتے ہوئے قصے کا پس منظر اور واقعات  
 ذہن میں لائیے۔ أَصْحَابِ الْفِيلِ کے الفاظ پر ان ہاتھیوں کے لشکر کا تصور  
 کیجئے جو کعبہ کو ڈھانے آئے تھے۔ أَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ پڑھیں تو  
 چڑیوں کے جھنڈ کے جھنڈ تصور میں لائیے جو یلغار کرتے ہوئے ابرہہ کے  
 لشکر پر چھا گئے تھے۔ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ پڑھتے ہوئے چشم  
 تصور سے یہ مشاہدہ کیجئے کہ چڑیاں چونچوں اور پنچوں میں پکڑے ہوئے کنکر  
 کافروں کے لشکر پر پھینک رہی ہیں۔ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّا كُوِّلَ کے  
 الفاظ پر ان کے انجام کا خیال دل میں یوں لائیے کہ مویشیوں کا پس خوردہ اور  
 لتاڑا ہوا چارہ کیسا ہوتا ہے۔



اس کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت کی قوت قاہرہ کا تصور کیجئے کہ وہ کس طرح متکبر اور سرکش انسانوں کا خواہ وہ بظاہر کس قدر طاقتور ہوں تیا پانچہ ایک معمولی تدبیر سے آنا فنا کر سکتا ہے۔

حضرات، اگر ہم سورۃ فاتحہ اور اس کے بعد عام طور پر پڑھی جانے والی سورتوں کا ترجمہ سیکھ لیں اور نماز میں انہیں ٹھہر ٹھہر کر اور مذکورہ طریقے پر تدبیر کرتے ہوئے اور ان کا اثر قبول کرتے ہوئے پڑھیں تو کوئی وجہ نہیں کہ نماز میں خشوع پیدا نہ ہو اور وہ جاندار اور موثر نہ ہو جائیں۔

## آٹھویں تدبیر

### تعدیل ارکان

اللہ تعالیٰ کو بندوں کے ایسے اعمال پسند ہیں جو سنوار کہ کئے گئے ہوں اور حسن و خوبی سے متصف ہوں۔ قرآن پاک میں ہے۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا

(الملک 2-1)

(اللہ نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر

دیکھے کہ تم میں سے زیادہ خوبصورت عمل کس کے ہیں۔)

دیکھئے یہ نہیں فرمایا کہ زیادہ عمل کس کے ہیں بلکہ فرمایا خوبصورت



عمل کس کے ہیں گویا اللہ کو ہماری طرف سے صرف اعمال نہیں خوبصورت اعمال مطلوب ہیں۔ ہم اپنی نمازوں کو کس طرح موثر اور خوبصورت بنائیں؟ یہی ہماری گفتگو کا مرکز موضوع ہے۔ اس ضمن میں اب ہم تعدیل ارکان کا ذکر کریں گے۔

تعدیل بمعنی توازن و اعتدال دو باتوں کو شامل ہے۔ ایک یہ کہ اعمال نماز میں سے ہر عمل کو ٹھہر کر اطمینان سے ادا کیا جائے عجلت اور تیز رفتاری سے پڑھے جانے والے اذکار و آیات پر تفکر و تدبر ممکن نہیں ہوتا۔ جملے اور الفاظ غیر شعوری طور پر، سرعت کے ساتھ یکے بعد دیگرے زبان سے ادا ہوتے چلے جاتے ہیں، ذہن الفاظ پر ٹک ہی نہیں سکتا۔

تعدیل کا دوسرا تقاضا یہ ہے کہ ارکان و اعمال باہم متوازن و متناسب ہوں مثلاً ایسا نہ ہو کہ رکوع بہت مختصر اور سجدہ بہت طویل ہو یا قومہ (رکوع کے بعد کھڑے ہونے کا وقفہ) بس برائے نام ہی ہو اور نمازی رکوع سے سر اٹھاتے ہی سجے میں گر پڑے۔ نماز میں حسن اسی صورت میں پیدا ہو گا جب نماز کے تمام اعمال باہم متناسب و متوازن بھی ہوں اور ادا بھی ٹھہر کر اطمینان سے کئے جائیں۔

عہد نبوی کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک آدمی نے مسجد نبوی میں نماز پڑھی۔ نبی اکرم ﷺ بھی قریب ہی تشریف فرما تھے نمازی نے جلدی جلدی نماز ادا کی پھر آنحضرت ﷺ کے قریب آیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔



آپ نے اسے فرمایا لوٹ جا اور دوبارہ نماز پڑھ کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔  
 راوی حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ اس شخص نے تین یا چار مرتبہ نماز  
 پڑھی کیونکہ حضور ﷺ ہر مرتبہ فرماتے کہ پھر نماز پڑھ تیری نماز نہیں  
 ہوئی۔ آخر اس نے عرض کیا حضور مجھے سکھائیے کس طرح پڑھوں آپ نے  
 فرمایا ہر رکن کو اطمینان و سکون سے ٹھہر ٹھہر کر ادا کر۔ آپ نے قومے،  
 جلسے، رکوع اور سجدے کا علیحدہ علیحدہ ذکر کیا اور ہر ایک کو اطمینان و سکون  
 سے ادا کرنے کا حکم دیا۔ یہ واقعہ حدیث کی صحیح ترین کتابوں بخاری اور مسلم  
 دونوں میں موجود ہے۔

آپ نے غور فرمایا اس آدمی کی نماز میں کیا خامی تھی۔ وہ نماز کو جلدی  
 جلدی اور سر سے بوجھ اتارنے کے انداز میں پڑھتا تھا۔ آپ ﷺ نے اسے  
 تاکید فرمائی کہ نماز کے سارے اعمال ٹھہر ٹھہر کر اور سنوار کر ادا کرے۔  
 یہی تعدیل ہے اس کے بغیر نماز اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں ہوتی۔

## تعدیل ارکان کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی رائے

حضرت مجدد الف ثانیؒ "تعدیل ارکان کے ضمن میں اپنے ایک  
 مکتوب میں لکھتے ہیں۔ "حضرت رسالت مآب ﷺ ایک نمازی کے پاس سے  
 گزرے دیکھا کہ ارکان قومہ، جلسہ وغیرہ کو ٹھیک طرح سے ادا نہیں کر رہا تو  
 فرمایا اگر تو اسی عادت پر مر گیا تو قیامت کے دن میری امت میں نہ اٹھے گا۔"



ایک اور روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

”زید بن وہب نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع و سجود وغیرہ ٹھیک طرح سے ادا نہیں کر رہا۔ آپ نے اسے بلا کر پوچھا تو کب سے اس طرح کی نماز پڑھ رہا ہے؟ اس نے کہا چالیس سال سے فرمایا اس چالیس سال کے عرصے میں تیری کوئی نماز نہیں ہوئی۔ اگر تو مر گیا تو نبی ﷺ کی سنت پر نہ مرے گا۔“

ذرا آگے چل کر مکتوب الیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں ”پس چاہیے کہ تعدیل ارکان یعنی رکوع سجود اور قومہ، جلسہ کی بخوبی ادائیگی میں کوشش کی جائے اور دوسروں کو بھی اس کی تاکید کی جائے کیوں کہ اکثر لوگ اس دولت سے محروم ہیں اور یہ عمل متروک ہوتا جا رہا ہے۔ اس عمل کا زندہ کرنا دین کی ضروریات سے ہے۔“

”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص میری کسی مردہ سنت کو زندہ کرتا ہے اسے سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے۔“

(مکتوب نمبر 69 دفتر دوم)

یہ بھی ضروری ہے کہ نماز میں پڑھے جانے والے الفاظ کو نمازی زبان سے ادا کرے۔ ہونٹ ہلائے بغیر دل ہی دل میں پڑھنا درست نہ ہوگا۔ نماز انفرادی ہو تو پھر موقع چاہے قیام کا ہو یا تشہد کا، رکوع کا ہو یا سجدے کا الفاظ کو اس طرح ادا کرنا چاہیے کہ پڑھنے والے کے اپنے کان انہیں سنیں۔



نیز ہمیشہ ایک ہی سورت مثلاً سورہ اخلاص کی تکرار نہ کی جائے سورہ فاتحہ کے ساتھ دوسری سورتوں کو بدل بدل کر پڑھنا چاہیے۔ اس طرح قراءت میں مشینی انداز ختم ہوگا اور شعوری طور پر پڑھنے کا رجحان پیدا ہوگا۔

## نماز میں تیز رفتاری کی عادت سے کیونکر چھٹکارا حاصل کیا جائے؟

نماز میں تیز رفتاری کی عادت نہایت ناپسندیدہ ہے۔ اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ

(1) آیات و اذکار کے مفہوم کو سمجھتے ہوئے ایک ایک جملے کو ٹک کر پڑھتے ہوئے آگے بڑھا جائے۔ نمازی ہر جملہ ارلوے سے پڑھے نہ کہ یاد سے

(2) انفرادی نمازوں میں رکوع اور سجدے میں صرف تین مرتبہ تسبیح پڑھنے پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ پانچ یا سات یا دس مرتبہ پڑھی جائیں اور ٹھہر ٹھہر کر اطمینان سے پڑھی جائیں۔

(3) وہ دعائیں اور اذکار یاد کر کے پڑھنے کو معمول بنایا جائے جو رسول

اللہ ﷺ رکوع و سجود وغیرہ میں پڑھتے تھے مثلاً قومی میں رَبَّنَا لَكَ

الْحَمْدُ کے بعد یہ دعا پڑھی جائے۔ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ

(ایسی تعریف جو کثرت والی ہے پاکیزہ ہے اور برکت والی ہے) دونوں

سجدوں کے درمیان پڑھنے کے لیے یہ دعا سکھائی گئی ہے۔ اَللّٰهُمَّ

اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَ عَافِنِيْ وَ اِهْدِنِيْ وَ ارْزُقْنِيْ (اے اللہ



میری بخشش فرما، مجھ پر رحم فرما، مجھے عافیت، ہدایت اور رزق عطا فرما) علیٰ ہذا القیاس۔ دعاؤں کی تفصیل کے لیے کسی حدیث کی کتاب سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

(4) ”..... اور رکوع سجود اور قومہ و جلسہ کو اطمینان سے ادا کرنا چاہیے یعنی رکوع کے بعد سیدھا کھڑے ہو کر ایک تسبیح کی مقدار رکنا چاہیے اور دو سجدوں کے درمیان ایک تسبیح کی مقدار بیٹھنا چاہیے تاکہ قومہ اور جلسہ میں اطمینان حاصل ہو۔ جو شخص ایسا نہ کرے وہ چوروں میں داخل ہے۔“

یہ اقتباس حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ایک مکتوب سے اخذ کیا گیا ہے۔ جلد بازی کی عادت ختم کرنے کے لیے یہ ایک عمدہ تدبیر ہے اور احادیث ہی سے اخذ کی گئی ہے یعنی ایک رکن ختم ہونے پر فوراً دوسرا نہ شروع کیا جائے۔ قیام میں قراءت مکمل ہونے پر فوراً رکوع میں جانے کے بجائے ذرا توقف کیا جائے، رکوع کی تسبیحات پڑھ لینے کے بعد فوراً قومے کے لیے کھڑا ہونے کے بجائے معمولی سا توقف کر لیا جائے۔ یوں اعمال نماز میں ایک طرح کا ٹھہراؤ اور وقار پیدا ہوگا۔ حضرت مجدد نے صرف قومے اور جلسے کے توقف کا ذکر کیا ہے اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ عام طور پر لوگ اسی میں کوتاہی کرتے ہیں۔

۵ اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جس کا مضمون یہ ہے کہ بدترین چور وہ ہے جو نماز میں چوری کرے۔



## نویں تدبیر

الوداعی نماز کا احساس

رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے۔

إِذَا صَلَّيْتَ فَصَلِّ صَلَاةَ مُؤَدِّعٍ

(جب نماز پڑھو تو اس طرح پڑھو جیسے یہ تمہاری زندگی کی

آخری نماز ہو)

بڑی حکیمانہ بات ہے مراد یہ ہے کہ ہر نماز دل لگا کر اور خوب سنوار کر پڑھنی چاہیے۔ دل کو یوں سمجھایا جائے کہ ہو سکتا ہے آج کا دن میری زندگی کا آخری دن ہو اور یہ نماز زندگی کی آخری نماز ہو شاید اس نماز کے بعد پھر نماز پڑھنے کا موقع نہ ملے۔ جس نماز کے بارے میں پڑھنے والے کو معلوم ہو کہ وہ اس کی زندگی کی آخری نماز ہے ظاہر ہے اس میں انتہا درجے کی عاجزی و انکساری اور بے چارگی و شکستگی ہوگی، یکسوئی ہوگی، اخلاص ہوگا اور قبولیت کی تڑپ ہوگی، دل و دماغ کی پوری توجہ صرف دعا ہو جائے گی۔ بھلا جس نماز میں یاد دعا میں یہ عناصر جمع ہو جائیں اس کی قبولیت میں کیا شک ہو سکتا ہے وہ تو ایک مثالی نماز ہوگی۔

حاتم بلخی "ایک مشہور صوفی گزرے ہیں ان سے کسی نے پوچھا آپ



نماز کس طرح پڑھتے ہیں کہنے لگے پہلے اطمینان سے وضو کرتا ہوں پھر جائے نماز پر کھڑا ہوتا ہوں تو یہ تصور کرتا ہوں کہ موت کا فرشتہ گویا میرے سر پر کھڑا ہے اور یہ میری زندگی کی آخری نماز ہے اس کے بعد شاید ہی نماز پڑھنے کا موقع ملے۔ اس کے بعد نہایت عاجزی سے تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کرتا ہوں اور آیات کے مفہوم و معنی پر تدبر کرتے ہوئے سنوار سنوار کر قرأت کرتا ہوں دل میں یہ امید ہوتی ہے کہ انشاء اللہ میری نماز قبول ہوگی لیکن ساتھ ہی فکر مندی بھی ہوتی ہے کہ کہیں نماز رد ہی نہ کر دی جائے۔

## دسویں تدبیر

### غیر ضروری حرکات سے اجتناب

نماز میں بلا ضرورت ڈاڑھی یا سر کھجانے، کنگھیوں سے ادھر ادھر دیکھنے، کپڑوں کو بار بار درست کرنے، بالوں پر ہاتھ پھیرنے، آگے یا پیچھے حرکت کرنے، کھانسنے اور جمائیاں لینے، انگلیاں چٹانے اور اسی طرح کی دوسری حرکات سے اجتناب کرنا چاہیے۔ چھینک اور جماہی کو روکنے کے لیے بایاں ہاتھ یا کپڑا وغیرہ منہ پر رکھنا چاہیے۔ مذکورہ حرکات سے اجتناب اس لیے ضروری ہے کہ یہ نماز سے باہر کے اعمال ہیں اور خشوع کے منافی ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ نمازی ان امور کی طرف متوجہ ہے اور نماز کے



الفاظ و معانی کی طرف سے غافل ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ایک شخص کو نماز کے دوران ڈاڑھی سے کھیلتے دیکھا تو فرمایا تھا۔

لَوْ خَشَعَ قَلْبُهُ، لَخَشَعَتْ جَوَارِحُهُ،

(اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء سے بھی اس کا اظہار ہوتا)

نماز تو نام ہی تو واضح اور تضرع کا اور ڈرنے اور شرمندہ ہونے کا ہے ظاہر ہے حرکات اس صورت حال سے مطابقت نہیں رکھتیں۔

تکبیر تحریمہ کو تکبیر تحریمہ کہتے ہی اس لیے ہیں کہ اس سے دنیوی باتیں اور کام حرام ہو جاتے ہیں۔ نماز میں حرکات ویسے بھی عظیم آقا کے سامنے خلاف ادب ہیں دنیوی افسر اور حاکم کے سامنے بھی ایسی حرکات سے اجتناب کیا جاتا ہے تو اللہ تو مالک حقیقی ہے شہنشاہ کائنات ہے اس کے سامنے ایسی حرکات کیونکر روا ہو سکتی ہیں۔ جی ہاں، اس دربار کی حاضری کے بھی کچھ آداب ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پوری طرح اسی طرف متوجہ رہا جائے، یکسوئی اختیار کی جائے اور خلاف ادب کوئی حرکت نہ کی جائے۔

شیخ محمد بن نصر ایک محدث گزرے ہیں نماز بہت محویت اور استغراق سے پڑھتے تھے قیام میں یوں بے حس و حرکت کھڑے رہتے جیسے لکڑی کا ستون ہو۔ کہتے ہیں ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک بھڑاڑتی ہوئی آئی اور ان کی پیشانی پر بیٹھ گئی اور اس زور سے کاٹا کہ خون نکل آیا مگر انہوں نے ذرا جنبش نہ کی نہ خشوع میں فرق آیا اور اسی حال میں نماز مکمل ہوئی۔



## گیارہویں تدبیر

### ہنگامی ضرورتوں سے فراغت

اگر نمازی کو کوئی ایسا کام درپیش ہو جو اس کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ رہا ہو اور نماز کو جلد ختم کرنے کا تقاضا کر رہا ہو مثلاً بھوک، پیاس یا حوائج ضروریہ لاحق ہوں یا کوئی اور ہنگامی مشکل آڑے آجائے تو بہتر یہ ہوگا کہ پہلے اس سے فراغت حاصل کر لی جائے تاکہ نماز کے دوران اس طرف توجہ مبذول نہ ہو اور نماز اطمینان سے ادا کی جاسکے۔ (بخاری مسلم)

اگر ان فطری تقاضوں کی طرف متوجہ ہونے سے نماز باجماعت سے محروم بھی ہونا پڑے تو گوارا کر لیا جائے اور بعد میں کسی کو ساتھ ملا کر یا پھر اکیلے ہی نماز ادا کر لی جائے۔ اسی طرح نیند کے غلبے کے وقت نماز پڑھنا بھی درست نہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ ایسی نماز میں اطمینان اور یکسوئی ممکن نہیں ہوتی۔ سنت یا نفل کی صورت میں نماز ترک کر کے سو جانا چاہیے۔ بعد میں جب طبیعت پر سکون ہو تو کسی وقت نوافل پڑھے جاسکتے ہیں۔ ظاہر ہے وقت کی قید فرض نماز کے لیے ہے نہ کہ نوافل کے لیے۔



# تیسرا باب

## حضورِ می دل

تبتل کا مفہوم

خلوت گزینی

یکسوئی کی اہمیت

تکبیر تحریمہ کی معنویت

نماز تہجد..... حضورِ می دل کا بہترین موقع

حدیث احسان

نماز معراج المؤمنین کس طرح ہے؟



آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے لَا صَلَوةَ إِلَّا بِحُضُورِ الْقَلْبِ (نہیں کامل ہوتی نماز مگر حضور قلب کے ساتھ) اور حضوری خلوت اور یکسوئی کا تقاضا کرتی ہے۔ سورہ المزمل میں اس یکسوئی کے لیے ”تَبَتَّلُ“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے

وَ اذْكُرْ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيلاً

(اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو اور ہر طرف سے بے تعلق

ہو کر اس کی طرف متوجہ اور یکسو ہو جاؤ) (المزمل 8)

تَبَتَّلُ کی ایک صورت خلوت گزینی ہے یعنی ذاکر ذکر و فکر کے لیے

ایسی تنہائی تلاش کرے جہاں اس کے شغل میں کوئی چیز مخل نہ ہو۔ نبی مکرم ﷺ کے قبل از بعثت غار حراء میں فروکش ہونے کو اس کے لیے بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ جب سالک اپنے ظاہری حواس کو بند کر لیتا ہے تو اس کے باطنی حواس کھل جاتے ہیں۔

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند

گر نہ بینی نورِ حق بر ما نحمد

(اپنی آنکھیں کان اور ہونٹ بند کر لے، پھر بھی جلوہ حق نظر نہ

آئے تو ہم پر ہنس لینا)

نماز میں تبتل یہ ہے کہ جسم کے تمام اعضاء ذکر اور مذکور (جس کا

ذکر کیا جا رہا ہے) کی طرف متوجہ ہو جائیں خصوصاً دل و دماغ ماسوی اللہ کی

طرف سے ہٹ جائیں اور مطلوب و مقصود پر مرتکز ہو جائیں۔



## یکسوئی کی اہمیت

گویا نماز میں یکسوئی دو طرح کی ہوتی ہے ظاہری یا جسمانی یکسوئی اور باطنی یا دل و دماغ کی یکسوئی

### (1) جسم کی یکسوئی

جسم کی یکسوئی یہ ہے کہ جسم کے تمام اعضاء قبلہ رخ، ساکن اور مودب ہو جائیں اور معبود حقیقی کی طرف متوجہ ہو جائیں پیشانی سے لے کر پاؤں کی انگلیوں تک جسم کا ہر حصہ عبادت اور ذکر الہی میں شامل ہو جائے۔ واضح رہے کہ جسم کے تمام اعضاء پر شیطانی اثرات موجود ہوتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ شیطان انسان کے پورے جسم میں خون کے ساتھ گردش کرتا ہے۔ پس جب ہم تمام اعضاء کو معبود حقیقی کی طرف متوجہ اور یکسو کر دیتے ہیں اور ذکر الہی کا مقید اور پابند کر دیتے ہیں تو گویا جسم کا ذرہ ذرہ عبادت میں مصروف ہو جاتا ہے، ظلمت زائل ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ نورانیت پیدا ہوتی ہے مگر یہ کام آسان نہیں بڑی توجہ اور محنت کا متقاضی ہے۔ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر قیام نماز کے لیے 'محافظة' کا لفظ استعمال ہوا ہے جو بہت معنی خیز ہے مثلاً سورہ البقرہ میں ارشاد ہے۔



حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَى وَقُومُوا  
لِلَّهِ قَانِتِينَ

(اپنی نمازوں پر محافظ اور نگہبان بنے رہو، خصوصاً درمیانی نماز  
کی حفاظت کرو اور اپنے آپ کو پوری محویت میں قائم رکھو)

(البقرہ، 238)

## 2) دل و دماغ کی یکسوئی

یکسوئی کا دوسرا پہلو باطنی یا دل و دماغ کی یکسوئی ہے۔ یہ چیز ظاہری  
یکسوئی سے بھی زیادہ اہم ہے۔ کامل نماز وہی ہوتی ہے جس میں دل و دماغ کو  
غیر اللہ کے خیالات سے ہٹا کر اللہ کے ذکر اور اس کی ذات کے تصور کی  
طرف پھیر دیا جائے۔ یہی مطلب ہے۔

لَا صَلَاةَ إِلَّا بِحُضُورِ الْقَلْبِ كَا

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر نمازی کو دلی یکسوئی حاصل ہو جائے تو  
اس کا اثر اعضائے جسمانی پر بھی پڑتا ہے اور وہ بھی مودب اور متواضع ہو  
جاتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک نمازی کو دیکھا کہ  
ہاتھ سے بار بار اپنی واڑھی کو چھیڑ رہا ہے تو آپ نے فرمایا۔

لَوْ خَشَعَ قَلْبُهُ لَخَشَعَتْ جَوَارِحُهُ

(اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے جسم کے اعضاء

سے بھی اس کا اظہار ہوتا)



واضح رہے کہ جملہ انسانی علوم و فنون اور سائنسی اکتشافات غور و فکر اور ذہنی یکسوئی ہی کا نتیجہ ہیں۔ جادو، مسمرزم، ہپناٹزم، ٹیلی پیتھی اور اس نوع کے دوسرے باطنی علوم ذہنی یکسوئی ہی کے کرشمے ہیں۔ ان میں حواس اور قوت خیال کو ایک نکتے پر مرکوز کرنے کی مشق کی جاتی ہے جس سے فاعل میں ایک قسم کی برقی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس قوت سے غیر معمولی نتائج اور زبردست فوائد حاصل کئے جاسکتے ہیں اور کئے گئے ہیں مثلاً دماغی نفسیاتی اور اعصابی امراض کا علاج کیا جا رہا ہے اور بعض دیگر محیر العقول کام لیے جا رہے ہیں۔

اس کی فلاسفی یہ ہے کہ قوت خیال کے ارتکاز سے حدت اور ایک طرح کی باطنی قوت پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح سورج کی شعاعیں اگر کسی محدب عدسے پر ڈالی جائیں تو وہ ایک نقطے پر جمع ہو جاتی ہیں اور اتنی حدت اور حرارت پیدا ہوتی ہے کہ نیچے پڑی ہوئی چیز کو آگ لگ جاتی ہے۔

آمد بر سر مطلب تصوف اور روحانیت کی دنیا میں بھی یکسوئی کا زبردست کردار ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے حواس کو کنٹرول کرنے اور قلب و ذہن کو یکسو کرنے میں کامیاب ہو جائے تو اس کی خفیہ صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور اس کے باطن میں ایک انقلاب آجاتا ہے۔

صوفیاء کہتے ہیں کہ اگر ذکر کرنے والا ہمت اور کوشش سے اپنے دل و دماغ کی تمام تر توجہ ذکر اور مذکور (جس کا ذکر کیا جا رہا ہے) پر مرکوز کر



دے تو اس سے زبردست روحانی قوت پیدا ہوتی ہے اور اس کے غیر معمولی اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ تدبیر، تفکر، اور مراقبہ یکسوئی ہی کی مختلف صورتیں ہیں۔ جسمانی اور ذہنی یکسوئی کے بغیر کسی ذکر اور عبادت کا مفید نتیجہ نہیں نکلتا بلکہ وہ محض عادت اور formality بن کر رہ جاتے ہیں۔

استدراک !!

صوفی اور ہیناٹائزر کے عمل میں ایک گونہ مشابہت ضرور ہے مگر مقصد اور حقیقت نفس الامری کے اعتبار سے دونوں کا عمل مختلف ہوتا ہے ہیناٹزم میں توجہ کا مرکز کوئی مادی شے اور فرض نکتہ ہوتا ہے اس کے مقاصد بھی مادی اور دنیوی ہوتے ہیں جبکہ صوفی کا تجربہ ایک روحانی تجربہ ہوتا ہے اس کا مقصد مشاہدہ حقائق، خالق کائنات سے براہ راست رابطہ اور اخذ فیضان ہوتا ہے۔ اس کے عمل سے ایک باطنی رو اس کی طرف چل پڑتی ہے نتیجتاً اس کی اپنی باطنی شخصیت زندہ و بیدار ہو جاتی ہے۔ اس تجربے سے اسے لذت و حلاوت اور سوز و گداز محسوس ہوتا ہے۔

تکبیر تحریمہ کی معنویت

نماز کے آغاز میں ہاتھ اٹھاتے وقت جو تکبیر کہی جاتی ہے اسے تکبیر تحریمہ کہتے ہیں یعنی وہ تکبیر جو دنیوی امور کو حرام ٹھہرا دے۔ گویا جب آپ نے اللہ اکبر کہہ کہ ہاتھ باندھ لیے تو اب دنیا کی باتیں اور کام حرام ہو گئے



کیونکہ آپ شہنشاہ کائنات کے سامنے پیش ہو گئے اور اللہ اکبر کہنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اللہ کی عظیم ہستی کے سامنے سب دنیا والے چھوٹے اور ہیچ ہیں اللہ سب سے بڑا ہے جس کی جناب میں میں اس وقت حاضر ہو گیا ہوں۔ اب چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف متوجہ ہونا کم عقلی ہوگی۔

ہاتھ اٹھا کر گویا آپ کہتے ہیں کہ میں نے دنیا سے اور دنیوی امور سے ہاتھ اٹھا لیے ان سے دستبردار ہو گیا۔ خلاصہ یہ کہ تکبیر تحریمہ کہتے وقت نمازی کو چاہیے کہ دنیوی خیالات کو ذہن سے جھٹک دے اور دل و دماغ کو پورے طور پر یکسو اور اپنے آقا و مالک کی طرف متوجہ کر لے۔ اور یکسوئی کی اس کیفیت کو شروع سے آخر تک پوری نماز میں قائم رکھے لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کم از کم تکبیر تحریمہ کے وقت تو اس کے لیے کوشش اور اہتمام کر لازمی سمجھے۔

## نماز خدا کے حضور پیشی ہے

جب نمازی قبلہ رخ کھڑا ہو جاتا ہے اور نماز کا باقاعدہ آغاز کرتا ہے تو وہ تھوڑی دیر کے لیے دنیا اور دنیا کے امور سے صرف نظر کر لیتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی کبیریائی کا اعلان کرتے ہوئے یعنی اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ باندھ لیتا ہے اور نظریں ایک جگہ جما کر عاجزی و انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کا آغاز کرتا ہے تو یوں سمجھئے کہ ایک ناکارہ اور نافرمان غلام اپنے عظیم آقا



کے حضور پیش ہو گیا۔

بات مزے کی ہے نبی مکرم ﷺ فرماتے ہیں۔

اِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَلَا يَمْسَحُ  
الْحَصَى فَإِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَجِّهُهُ

(بخاری)

(جب تم میں سے کوئی نماز شروع کرے تو سامنے سے

کنکریاں نہ ہٹائے کیونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی

طرف متوجہ ہوتی ہے)

یہاں کنکریوں کا لفظ محض مثال کے لیے استعمال ہوا ہے مراد یہ ہے

کہ بندے کو جائے کہ صرف اللہ کی طرف متوجہ رہے کسی اور چیز کی طرف

دھیان نہ دے وجہ یہ کہ اس وقت خود شہنشاہ کائنات اپنے بندے کی طرف

متوجہ ہو جاتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں اس مضمون کی مزید وضاحت اس طرح کی

گئی ہے۔

لَا يَزَالُ اللَّهُ تَعَالَى مُقْبِلًا عَلَى الْعَبْدِ وَهُوَ فِي

صَلَاتِهِ مَا لَمْ يَلْتَفِتْ فَإِذَا التَّفَتَ أَعْرَضَ عَنْهُ

(ابوداؤد)

(اللہ تعالیٰ بندے کی طرف اس وقت تک متوجہ رہتے ہیں

جب تک بندہ خود ہی کسی اور چیز کی طرف متوجہ نہ ہو جائے۔



جب اس کا دھیان کسی اور چیز کی طرف ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی طرف سے توجہ ہٹا لیتے ہیں)

غور فرمائیے کتنی بڑی بات ہے۔ کائنات ارض و سماء کا مالک اپنے ناکارہ اور خطا کار بندے کی طرف اپنی رحمت اور لطف و کرم کے ساتھ متوجہ ہے۔ بندے اور مولا کے درمیان سے حجاب اٹھ چکے ہیں۔ اس سے بڑھ کر قرب کا مقام اور قیمتی موقع اور کیا ہوگا۔ اب یہ بندے پر ہے کہ وہ اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنی دنیا اور آخرت سنوار لے یا اپنی نادانی سے ان قیمتی لمحات کو ضائع کر دے۔ جی ہاں بات نصیب ہی کی ہے۔ بعض احادیث میں باری تعالیٰ کے متوجہ ہونے کی مزید تفصیل بھی ملتی ہے چنانچہ ایک روایت اس طرح ہے کہ جب بندہ کہتا ہے۔ **الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ** تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد کی جب وہ کہتا ہے **الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ** تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میرے اوصاف بیان کئے۔ جب وہ کہتا ہے۔ **مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ** تو ارشاد ہوتا ہے میرے بندے نے میری عظمت بیان کی۔ جب نمازی کہتا ہے۔

**إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ** تو اللہ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان منقسم ہے اور اسے دیا جائے گا جو کچھ اس نے مانگا۔ **اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ..... وَلَا الضَّالِّينَ** پڑھنے پر اللہ فرماتا ہے۔  
”یہ میرے بندے کے لیے ہے اور اسے ملے گا جو کچھ اس نے مانگا۔“



دیکھئے جب کائنات کا خالق و مالک بذات خود اپنے بندے کی طرف متوجہ ہے اور اس سے ہم کلام ہے تو کیا بندے پر لازم نہیں کہ وہ بھی پوری طرح اللہ ہی کی طرف متوجہ رہے اور ذوق و شوق سے اس کے کلام کو دل کے کانوں سے سنے؟

## نماز تہجد — حضورِ مِیِ دِل کا بہترین موقع

تہجد کے معنی ہیں وہ نماز جو رات کو نیند توڑ کر پڑھی جائے۔ یہ نماز تمام نفل نمازوں سے افضل اور منفرد خصوصیات کی حامل ہے۔ سورہ المزمل میں جہاں نبی اکرم ﷺ کو تہجد پڑھنے کا حکم ہے وہاں اس نماز کی بعض خصوصیات کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَ أَقْوَمُ قِيلاً ۝  
 إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝ وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلاً ۝  
 (المزمل 6-8)

(در حقیقت رات کا اٹھنا نفس پر قابو پانے کے لیے بہت کارگر اور قرآن ٹھیک پڑھنے کے لیے زیادہ موزوں ہے دن کے اوقات میں تو تمہارے لیے بہت مصروفیات ہیں۔ پس اپنے رب کا نام ذکر کیا کرو اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو)

ان آیات کا حاصل یہ ہے :



(1) دن کے وقت انسان اپنے معاشی، معاشرتی اور سیاسی مسائل سے نبرد آزما رہتا ہے۔ ان مصروفیات کی وجہ سے اسے یکسوئی سے ذکر کے مواقع کم ملتے ہیں۔

(2) نیند چھوڑ کر عبادت کے لیے اٹھنا نفس کو مغلوب کرنے کا موثر ذریعہ ہے اور ظاہر ہے کہ نفس کو مغلوب کرنا مطلوب ہے۔

(3) تہجد میں ذکر کے کلمات درست اور موزوں طریقے سے ادا ہوتے ہیں۔

(4) رات کے وقت فراغت اور یکسوئی بھی ہوتی ہے اور خاموشی اور تنہائی بھی اس لیے ذکر و فکر کا بہترین موقع ہوتا ہے۔

(5) اس وقت ذکر میں کوئی مغل نہیں ہوتا اس لیے یکسوئی اور تبتُّل (سب سے کٹ کر ایک سے جڑنا) آسان ہو جاتا ہے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ اپنی بے پایاں رحمت و شفقت کے ساتھ اُن لوگوں کے قریب آجاتا ہے جو اس وقت تہجد پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ (بخاری)

خود حضور ﷺ نہایت ذوق و شوق سے تہجد کی نماز پڑھتے تھے۔ اس موقع پر آپ کا قیام اور رکوع و سجود بہت طویل ہوتے تھے قرآن کی قرأت ٹھہر ٹھہر کر اور اتنی دیر تک کرتے کہ آپ کے پائے مبارک سوج جاتے۔ آپ دوسروں کو بھی تہجد پڑھنے کی ترغیب دیتے تھے۔ آپ کا فرمان ہے ”تہجد ضرور پڑھا کرو یہ تم سے پہلے کے نیک لوگوں کا طریقہ، قرب خداوندی کا



ذریعہ اور گناہوں کو دور کرنے کا سبب ہے۔“ (ترمذی)  
 آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ”ایک دوسرے کو بخترت سلام کیا کرو  
 کھانا کھلایا کرو اور رات کو جب لوگ سوئے پڑے ہوں نماز پڑھا کرو، بلا خوف و  
 خطر جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“ (ترمذی)

مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات میں ایک جگہ لکھا ہے کہ جنید  
 بغدادی کی وفات کے بعد ایک عزیز نے انہیں خواب میں دیکھا۔ پوچھا سنائے  
 حضرت اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیسا معاملہ کیا؟ کہنے لگے مجھے بخش دیا  
 گیا۔ پھر فرمایا معرفت سے متعلق ہماری رمزیہ باتیں اور عبارت آریاں فنا ہو  
 گئیں۔ اگر کوئی چیز کام آئی تو وہ ٹوٹی پھوٹی رکعتیں تھیں جو ہم نے رات کی  
 تاریکی میں پڑھی تھیں۔ (مکتوب نمبر 184 دفتر اول)

### حدیث احسان

اس موقع پر نبی کریم ﷺ کے مشہور الفاظ سطح ذہن پر ابھر آتے

ہیں۔

أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ  
 يَرَاكَ

(بخاری۔ مسلم)

(اللہ کی اس طرح عبادت کر گویا تو اسے اپنے سامنے دیکھ رہا



ہے اور اگر یہ درجہ حضوری حاصل نہ ہو تو کم از کم یہ احساس تو

ہو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے)

الفاظ کی بلاغت پر غور فرمائیے کتنا عظیم الشان مضمون چند الفاظ میں سمٹ کر آگیا ہے۔ نمازی کی حیثیت کیا ہے۔ ایک ادنیٰ غلام ہے جو اپنے عظیم المرتبت محسن آقا (شہنشاہ کائنات) کے سامنے عاجزی و انکساری کا مجسمہ بنا بار بار اپنی نیاز مندی اور خطا کاری کا اظہار کر رہا ہے اور معافی مانگ رہا ہے۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہے۔ اس کی ساری توجہ اپنے آقا پر مرکوز ہے جسے گویا وہ اپنے سامنے دیکھ رہا ہے۔ آقا اس سے مخاطب ہے اس کے قول و عمل کا محاسبہ کر رہا ہے بعض کاموں کا حکم دے رہا ہے بعض کے نہ کرنے کی ہدایت کر رہا ہے۔ یہ عمل ایسا ہونا چاہیے کہ نمازی اس میں ڈوب جائے۔ اس کی زبان، اس کا دل، اس کا دماغ اس کے سارے قوی ڈوبنے کے اس عمل میں شریک ہوں۔ اس کیفیت کو نبی کریم ﷺ نے احسان کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ احسان کا لفظ حسن سے نکلا ہے۔ گویا نماز کی خوبی اور حسن یہ ہے کہ اس میں مندرجہ بالا کیفیت پیدا ہو جائے۔

جب آپ کو یہ کیفیت نصیب ہو تو اسے مزید گہرا کرنے کی کوشش کیجئے یہاں تک کہ رقت پیدا ہو جائے اور آنسو نکل آئیں۔ اگر رونا نہ آئے تو رونے والے کی صورت ہی بنالی جائے۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث ہے جس کا مضمون کچھ اسی قسم کا ہے ”چاہئے کہ قرآن پڑھو اور روؤ اور اگر رونا نہ سکو تو رونی



صورت ہی بنا لو“

بس یہ ہے وہ کیفیت جو نماز کی جان ہے اور اس میں بڑی لذت اور بڑا کیف ہے۔ نبی کریم ﷺ ایسے ہی نہیں فرمایا کرتے تھے کہ ”بلال اذان دو تا کہ ہم (اپنے مولا کی ہمکلامی و مناجات سے) راحت حاصل کریں۔“

(ابوداؤد)

اسی کیفیت کی بدولت نماز نبی کریم ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور راحتِ قلب و جان بن جاتی تھی

(مشکوٰۃ)

اسی کیفیت سے دل میں اطمینان کے آب حیات کا چشمہ پھوٹتا ہے وہ اطمینان جس کا دنیا میں ہر کوئی متلاشی ہے مگر اسے مال و دولت میں اور دنیا کی چیزوں میں ڈھونڈتا ہے اور نہیں جانتا کہ اس خزانے کی کنجی خود اس کے پاس موجود ہے۔ کسی صوفی کا قول ہے کہ خزانے کی گٹھڑی تو ہر شخص کے پاس موجود ہے مگر وہ محض اس وجہ سے عمر بھر مفلس و کنگال رہتا ہے کہ اس کی گرہ کھولنا نہیں جانتا۔ آپ کو یہ دولت میسر آجائے تو خدا کا شکر ادا کیجئے..... کہ شکر سے نعمت میں اضافہ ہوتا ہے

(سورہ ابراہیم 7)

نیز اپنی کوشش کو صحیح رخ پر جاری رکھئے کیونکہ نماز کو سنوارنا اور حسین بنانا ایسا عمل نہیں جس میں یکبارگی کامیابی حاصل ہو سکے یہ تو ایک مجاہدہ اور ایک مسلسل عمل ہے۔ کیونکہ حسن ایک اضافی چیز ہے۔ حسین سے حسین تر اور خوب سے خوب تر کی جستجو ایک ختم نہ ہونے والا ارتقائی عمل



ہے۔ اس راہ میں کوئی مقام ایسا نہیں جہاں بندہ مطمئن ہو کر بیٹھ جائے کہ اس نے منزل مقصود پالی ہے اور اب آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں۔

## الصَّلَاةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِينَ كَمَا مَفْهُوم

نماز اللہ رب العزت کے حضور پیشی ہے۔ شہنشاہ کائنات کا اپنے ادنیٰ غلام کی طرف متوجہ ہونا اور اسے شرف کلام بخشنا بہت بڑی بات ہے۔ یہی مفہوم ہے اس حدیث کا کہ نماز مومن کی معراج ہے۔ اس طرح کی ہمکلامی جب کہ درمیان میں کوئی چیز مخل نہ ہو بندگی کی معراج (Climax) نہیں تو اور کیا ہے؟ معراج نبی کریم ﷺ کے وقت صورت حال کیا تھی؟ آپ اپنے مولا کے ساتھ تنہائی میں تھے حتیٰ کہ جبریل بھی وہاں موجود نہ تھے قرب کا خلوت کا اور ہمکلامی کا ایک بے نظیر موقع تھا۔ تب محبت اور محبوب کے درمیان راز و نیاز کی باتیں ہوتیں۔ نماز مومن کو حبیب خدا ﷺ کے طفیل ایک ادنیٰ درجے پر سہی، اسی طرح کے قرب، خلوت اور ہمکلامی کے تجربے سے لذت آشنا کرتی ہے۔ پس نماز کو معراج المؤمنین کہنا برحق ٹھہرا!!!

اس حدیث کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں:

”ہمیں نماز میں تشہد کے دوران وہی کلمات پڑھنے کا حکم ہے

جن کے ساتھ آنحضرت ﷺ شب معراج مشرف ہوئے

تھے۔ اس میں اشارہ ہے کہ نمازی کو بھی نماز کے ذریعے



قرب خداوندی حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہی مضمون ہے اس حدیث کا کہ ”بندے کو اپنے رب کا سب سے زیادہ قرب اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ نماز میں ہوتا ہے۔“

(مکتوب نمبر 304 دفتر اول)

## حدیث اُعْبُدُ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ كِي تَحْقِيق

مولانا اشرف علی تھانویؒ سے کسی نے پوچھا کہ ہم خدا کو اپنے سامنے کیونکر دیکھ سکتے ہیں وہ تو جسم اور شکل و صورت سے پاک ہے پھر اس کا تصور کیونکر باندھا جائے؟ انہوں نے جواب دیا یہ مراد نہیں کہ یوں تصور کرو کہ میں خدا کو دیکھتا ہوں۔ حدیث کے الفاظ ہیں كَاَنَّكَ تَرَاهُ (گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو) تو مفہوم یہ ہوا کہ تم خدا کو دیکھ تو نہیں سکتے لیکن اگر فرض کیا جائے کہ تم اسے واقع میں اپنے سامنے دیکھتے تو اس وقت کیسی عبادت کرتے ظاہر ہے نہایت مکمل عبادت کرتے اور عبادت کے سارے تقاضے پورے کرتے جیسا کہ کسی حاکم کو اپنے سامنے دیکھ کر اس کے سارے حقوق اور آداب کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ تو اب خدا کو نہ دیکھنے کی حالت میں بھی اسی حالت مذکورہ کے مشابہ عبادت کرو۔

لیکن بات یہاں مکمل نہیں ہوتی۔ آگے کے الفاظ ہیں فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ (پس اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو وہ تمہیں دیکھتا ہے) یعنی



ایسی مکمل عبادت خدا کو دیکھنے پر ہی موقوف نہیں بلکہ یہ ایک دوسری صورت میں بھی ممکن ہے اور وہ یہ ہے کہ حاکم تم کو دیکھتا ہو تب بھی ویسی ہی عبادت ہوگی۔ یہ ایک مشاہدے کی بات ہے کہ اگر حاکم کسی کام کا حکم دے اور خود ایسی جگہ کھڑا ہو کہ کام کرنے والا تو اسے نہ دیکھے اور وہ اس کو دیکھ رہا ہو اور کام کرنے والے کو معلوم ہو کہ اس کی نگرانی کی جا رہی ہے تب بھی وہ ویسا ہی کام کرے گا۔

اب حدیث کے دونوں اجزاء کو ملائیے۔ مفہوم یہ بنا کر تم اپنے رب کی یہ سمجھتے ہوئے عبادت کرو کہ وہ تمہارے سامنے ہے۔ اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو کیا ہو ایہ احساس بھی کافی ہے کہ تم اس کے سامنے ہو۔ وہ تمہیں اور تمہاری عبادت کر دیکھ رہا ہے۔

حدیث احسان پر جو گفتگو اب تک ہوئی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس حدیث کی تشریح علماء نے دو طرح سے کی ہے۔ ایک گروہ نے کہا کہ حسن و خوبی کے لحاظ سے عبادت کے دو درجے ہیں پہلا درجہ کاملین کا ہے اور وہ یہ ہے کہ نمازی یہ محسوس کرے کہ وہ اللہ کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہے اسے درجہ 'شاہدیت' کہا جاسکتا ہے دوسرا درجہ جو اس سے کم تر ہے اور عامی افراد کا ہے۔ یہ محسوس کرنا ہے کہ اللہ اپنے بندے کو بحالت عبادت دیکھ رہا ہے۔ یہ گویا درجہ 'مشہودیت' ہے۔

دوسری تعبیر وہ ہے جو حضرت تھانویؒ کے حوالے سے ابھی درج



ہوئی کہ تم خدا کو نہیں دیکھتے تو کیا ہو اوہ تو تمہیں دیکھ ہی رہا ہے پس اب بھی عبادت اسی طرح کرو جس طرح اس کے سامنے ہوتے ہوئے کرتے۔

دونوں صورتوں کا لب لباب بہر حال یہی ہے کہ عبادت میں یکسوئی اور حضوری پیدا کرنے والی چیز نمازی کا یہ احساس ہی ہے کہ اللہ رب العزت اسے اور اس کی عبادت کو دیکھ رہے ہیں۔

بعض اہل علم نے اس ضمن میں ایک قابل قدر نکتے کا اضافہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ عبادت کو محض نماز پر محمول کرنا درست نہیں اسے وسیع مفہوم میں لینا چاہیے یعنی اللہ کے ہر حکم کی تعمیل کو عبادت و بندگی سمجھتے ہوئے احسان کی سپرٹ کو سامنے رکھا جائے۔ بندہ ہر عمل کرتے وقت یہ محسوس کرے کہ اللہ رب العزت مجھے اور میرے کام کو دیکھ رہے ہیں۔ آقا کے حاضر و ناظر ہونے کا احساس جس قدر قوی ہو گا بندے کا عمل بھی اسی نسبت سے خوب سے خوب تر ہو جائے گا۔



# چوتھا باب

## خشوع کے مواعظ

وساس کا مسئلہ

وساس سے بچنے کی تدابیر

عمدہ اور کامل وضو

ہنگامی ضرورت سے فراغت

کانوں اور آنکھوں کے حواس کو کنٹرول کرنا

محبوب چیزوں سے دستبرداری

متبادل خیال سے وسوسے کو دور کیا جاسکتا ہے

شعوری طور پر نماز پڑھنے کی اہمیت

احضار اور حضور



## وساوس کا مسئلہ

یہ ایک مہتمم بالشان مسئلہ ہے اکثر لوگ محسوس کرتے ہیں کہ دنیا کے خیالات و وساوس کی بھرمار دل جمعی اور حضوری کی لذت میں مانع ہوتی ہے ہر نمازی ایسی تدابیر جاننا چاہتا ہے جن پر عمل کر کے وہ وساوس سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔

آپ گزشتہ سطور میں پڑھ چکے ہیں کہ شیطان اولاً مومن کو نماز سے روکنے کی کوشش کرتا ہے اگر اس میں کامیاب نہیں ہوتا تو نمازی کے دل میں خیالات و وساوس داخل کر دیتا ہے اور ان میں ایسا الجھاتا ہے کہ نمازی جو کچھ پڑھ رہا ہوتا ہے اس سے غافل ہو کر ادھر ادھر بھٹکنے لگتا ہے حتیٰ کہ رکعتوں کی تعداد تک بھول جاتا ہے گویا غفلت کا سبب یہی وساوس ہیں لہذا ضروری ہے کہ ان کو دفع کرنے کی حتیٰ الوسع کوشش کی جائے اور ان کے اسباب کو ختم کرنے یا کم کرنے کی تدبیر کی جائے تاکہ کمال حضوری کی منزل تک رسائی آسان ہو جائے تو مرض کا علاج یہ ٹھہرا کہ

(1) وساوس کے اسباب کو ختم کرنے کی حتیٰ الوسع کوشش کی جائے تاکہ وہ پیدا ہی نہ ہوں

(2) وساوس کو دفع کرنے اور ان کی یلغار کو روکنے کی تدبیر کی جائے آئیے پہلے نکتہ اول کو لیتے ہیں کہ وساوس کے سدباب کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جائیں کہ بندہ حضوری کی منزل سے گزر کر حضوری اور حق تعالیٰ کی معیت کے مقصود تک پہنچ سکے۔



## وساوس سے بچنے کی تدابیر پہلی فصل

امام غزالیؒ اور بعض دیگر صوفیاء نے وساوس کا دروازہ بند کرنے کیلئے قرآن و سنت کی روشنی میں حسب ذیل اقدامات تجویز کئے ہیں۔

### پہلی تدبیر

#### عمدہ اور کامل وضو کرنا

نمازی کو احساس ہونا چاہئے کہ وضو محض جسمانی طہارت کا نام نہیں اس سے گناہوں کے اثرات بھی زائل ہوتے ہیں یعنی باطنی صفائی اور پاکیزگی بھی حاصل ہوتی ہے گویا وضو ایک عظیم عمل ہے جو انسان کے ظاہر اور باطن کی تطہیر کر کے اسے بارگاہ رب العزت میں حاضری کے لائق بنا دیتا ہے۔ لہذا وضو خوب سنوار کر اور عمدگی سے کرنا چاہیے۔ اس کی برکت سے طبیعت میں انشراح اور دل میں اطمینان پیدا ہوگا اور نماز میں دل لگے گا۔ اس کے برعکس جو نماز ناقص وضو سے پڑھی جائے گی اس میں ذہن پر آگندہ رہے گا اور دل میں وساوس پیدا ہوں گے۔

حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی اور اس میں سورہ روم کی تلاوت کی۔ پس آپؐ کو متشابہ ہوا۔ جب آپؐ



نماز پڑھ چکے تو فرمایا لوگوں کا کیا حال ہے کہ ہمارے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اچھی طرح وضو نہیں کرتے اور اس وجہ سے ہم پر اشتباہ ڈالتے ہیں قرآن میں۔

(نسائی حوالہ مشکوٰۃ)

اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ نامکمل اور ناقص وضو سے نماز میں اشتباہ اور وساوس پیدا ہوتے ہیں لہذا ضروری ہے کہ وضو عمدگی سے اور اطمینان سے کیا جائے یعنی اس میں ان آداب و شرائط کو ملحوظ رکھا جائے جن کا تذکرہ سابقہ سطور میں کیا گیا ہے۔

## دوسری تدبیر

### ہنگامی ضروریات سے فراغت

دوسری تدبیر یہ ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے ہنگامی ضروریات سے فراغت حاصل کر لی جائے مثلاً بھوک لگی ہو اور کھانا سامنے آجائے تو پہلے کھانا کھا لیا جائے نیند کے غلبے کے وقت بھی نماز پڑھنا درست نہ ہو گا سنت یا نفل کی صورت میں نماز ترک کر کے سو جانا چاہئے احادیث میں ان چیزوں کی صراحت آئی ہے اسی طرح حوائج ضروریہ سے فراغت حاصل کر لی جائے کیونکہ اس فطری تقاضے کا دباؤ ہو گا تو نماز میں یکسوئی اور اطمینان ممکن نہ ہو سکے گا جو تا نیا ہو اور اس کے چوری ہونے کا اندیشہ ہو تو اسے مسجد



کے باہر چھوڑنے کی بجائے اندر لا کر اپنے سامنے رکھ لیا جائے کوئی خاتون ہنڈیا پکار ہی ہو تو اسے چولہے پر چھوڑ کر نماز شروع نہ کرے کیونکہ نماز کے دوران اس کا دھیان اسی کی طرف رہے گا پس چاہئے کہ اس کام کے مکمل ہونے پر نماز پڑھے غرضیکہ اس طرح کے چھوٹے موٹے کام یا تقاضے جو نماز کے دوران نمازی کی توجہ اپنی طرف کھینچ سکتے ہوں ان کو ادھورا چھوڑ کر یاروک کر نماز شروع نہ کی جائے بلکہ ان کی تکمیل کے بعد اطمینان سے نماز یاد کرو فکر کا آغاز کیا جائے۔

## تیسری تدبیر

آنکھوں اور کانوں کے حواس

کو کنٹرول کرنے کی کوشش

تیسری تدبیر یہ ہے کہ آنکھوں اور کانوں کے حواس کو کنٹرول کیا جائے ہم جو کچھ دیکھتے یا سنتے ہیں ذہن بھی اسی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے پس اگر نگاہ گرد و پیش کی چیزوں کو دیکھنے کیلئے نہ بھٹے اور کانوں میں ادھر ادھر کی آوازیں نہ پڑیں تو ذہنی انتشار کافی کم ہو سکتا ہے اور کافی حد تک ذہنی یکسوئی حاصل ہو سکتی ہے۔



## نگاہوں کو کنٹرول کرنا

نماز کے دوران نگاہ کو سجدے کی جگہ پر مرکوز رکھنے کا حکم اسی وجہ سے ہے کہ نگاہ کے بھٹکنے سے ذہن بھی بھٹک جاتا ہے پھر خیالات و وساوس کو روکنا ممکن نہیں رہتا بعض لوگ اس کا علاج یوں کرتے ہیں کہ آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور بلاشبہ یہ تدبیر مفید بھی معلوم ہوتی ہے اس لئے بعض اکابر نے اسے جائز قرار دیا ہے لیکن حدیث میں آنکھیں کھلی رکھنے کی ہدایت ہے اور یہی بہتر بھی ہے کیونکہ نمازی شہنشاہ کائنات کے سامنے حاضر ہوتا ہے یہ حاضری اسی وقت کامل ہوگی جب اس کے سارے اعضاء اپنے بیود کے سامنے ہوں گے اور اس کی طرف متوجہ ہونگے اگر آنکھیں بند کر لی جائیں تو ظاہر ہے حاضری نامکمل اور ناقص ہوگی ویسے بھی آقا کے سامنے آنکھیں بند کر کے کھڑے ہونا ایک طرح کی بے ادبی ہے کیا ہم دنیا کے کسی بڑے افسر یا حاکم کے سامنے اس طرح کھڑے ہوتے ہیں؟ ہاں اگر ابتداء میں بطور علاج اس تدبیر پر عمل کیا جائے تو مصلحتاً جائز ہوگا تاہم اسے محض پریشان خیالی کا علاج ہی سمجھا جائے افضل اسی کو سمجھا جائے جو حدیث میں آیا ہے یعنی آنکھیں کھلی رکھنا ایک حدیث میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے کی بطور خاص ممانعت آئی ہے۔

(بخاری مسلم)



اگر نمازی کے کپڑوں پر یا جائے نماز پر تصاویر یا نقوش وغیرہ بنے ہوں تو نماز شروع کرنے سے پہلے انہیں بدل لینا چاہئے حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے رسول اللہ ﷺ کو ایک چادر بطور ہدیہ دی جس پر کچھ نقوش بنے ہوئے تھے آپ نے اسے اوڑھ لیا اور کچھ دیر بعد اسی میں نماز ادا کی نماز کے دوران آپ کی نگاہ اس کے نقوش پر پڑی آپ نے نماز سے فارغ ہوتے ہی چادر اتار کر واپس کر دی اور اس کی جگہ دوسری سادہ چادر منگوا لی اور فرمایا نماز میں میری توجہ اس کے نقوش کی طرف چلی گئی تھی۔

(بخاری مسلم)

مساجد کی محرابوں اور دیواروں پر پچی کاری اور نقش و نگار بنانے کا جو رواج آج کل چل نکلا ہے وہ بھی غیر مستحسن ہے کیونکہ اس طرح قریب کھڑے نمازیوں کی توجہ ہٹ سکتی ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنے گھر کے ایک گوشے میں ایک پردہ سا ڈال رکھا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس پردے کو سامنے سے ہٹا دو اس کی تصویریں نماز میں برابر میرے سامنے رہتی ہیں خلاصہ یہ کہ مسجد کے لیے سادگی ہی موزوں ہے۔



## کانوں پر کنٹرول

کانوں کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہے اگر نمازی کے کانوں میں نماز کے دوران کوئی آواز مثلاً ریڈیو یا ریکارڈنگ کی یا مثلاً بچے کے رونے کی آواز آرہی ہو تو ذہن اس طرف منتقل ہو جاتا ہے اور نمازی کیلئے ذہنی یکسوئی قائم رکھنا ممکن نہیں رہتا پس انفرادی نماز کیلئے ایسی جگہ اور ایسے وقت کا انتخاب کرنا چاہئے جہاں نگاہ بھی نہ بھٹھے اور کانوں میں بھی باہر کی کوئی آواز نہ پڑے نماز تہجد میں ذہنی پراگندگی اور تشویش اسی لئے کم ہوتی ہے کہ اس وقت خاموشی بھی ہوتی ہے اور تاریکی بھی عہد قدیم کے صوفیاء اور درویش کے بارے میں ہم جو پڑھتے اور سنتے چلے آئے ہیں کہ وہ عبادت و ریاضت کیلئے جنگلوں میں اور پہاڑوں کے غاروں میں فروکش ہوا کرتے تھے تو اس سے ان کا مقصود بھی غالباً دنیا کی رنگارنگی اور ہوا و ہوس سے کنارہ کشی اور یکسوئی کا حصول ہی ہوتا ہوگا یہ بات برسبیل تذکرہ آگئی ویسے ہمارے لئے اسوۂ رسول ﷺ اور صحابہ کرام کا طرز عمل ہی لائق تقلید ہے۔

تاہم ان تدابیر کی افادیت ایک حد تک ہی ہے کیونکہ نگاہوں اور کانوں پر کنٹرول مفید سہی لیکن پہلے سے جو چیزیں ذہن میں بیٹھی ہیں ان سے متعلق خیالات و وساوس تو پھر بھی مشکل پیدا کریں گے۔



## چوتھی تدبیر

جن چیزوں سے دل اڑکا ہو ان سے دستبرداری

یہ تدبیر اوپر والی تدبیر نمبر 2 سے مستنبط ہے یا اس کا تتمہ کہی جاسکتی ہے تفصیل یہ ہے کہ انسان ان چیزوں کی ملکیت سے دستبردار ہو جائے اور ان سے چھٹکارا حاصل کر لے جو ذہن کے بھٹکنے اور منتشر ہونے کا سبب بن رہی ہوں مثلاً کسی شخص نے خوبصورت گھڑی پہن رکھی ہے وہ اس کو بہت بھلی لگتی ہے حتیٰ کہ نماز میں بھی بے اختیار ذہن اس کی طرف چلا جاتا ہے تو اب علاج یہ ہے کہ اس گھڑی سے دستبردار ہو جائے اگر گھڑی کے بغیر گزارہ نہیں تو کوئی سادہ اور عام سی گھڑی لے کر کام چلا لیا جائے۔

یہ مثال ایسی چیز کی ہے جس سے دستبردار ہونا زیادہ مشکل نہیں لیکن اگر مرغوب اور محبوب چیز ایسی ہو جس سے دستبردار ہونا آسان نہ ہو مثلاً زمین، باغ، کوٹھی، کار، زیورات وغیرہ تو پھر کیا کیا جائے؟ جواب یہ ہے کہ اولاً دیکھنا ہوگا کہ جو چیز فتنے کا سبب بن رہی ہے اس کی نوعیت کیا ہے مثلاً سواری رہائشی مکان استعمال کے کپڑوں وغیرہ کا جہاں تک تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ یہ چیزیں زندگی کے لوازمات ہیں ان سے دست کش ہونا ممکن نہیں اور نہ مطلوب ہے بشرطیکہ بقدر ضرورت ہوں اور ان سے استفادہ و محبت بھی اسی قدر ہو جسکی شریعت نے اجازت دی ہے ہاں مکانات، باغات، زمینیں



وغیرہ ضرورت سے زائد اور محض آمدنی بڑھانے کا ذریعہ ہوں تو بقدر ضرورت رکھ کر (مثلاً ایک مکان ایک باغ وغیرہ) باقی رضائے الہی کے لئے صدقہ کر دینا بہتر ہے اسی کو قرآن پاک نے ”العفو“ کہا ہے

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ط قُلِ الْعَفْوُ طَيِّبٌ لِلَّهِ

لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

(البقرہ 220-219)

(لوگ پوچھتے ہیں ہم راہ خدا میں کیا خرچ کریں؟ کہو جو کچھ تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو اس طرح اللہ تمہارے لئے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے تاکہ دنیا و آخرت دونوں کی فکر کرو۔

قرونِ اولیٰ کے لوگ چونکہ زہد و تقویٰ کے بہت اونچے معیار پر فائز تھے اس لئے ان کی باتیں ہمیں عجیب سی لگتی ہیں صحابی رسول حضرت ابو طلحہ انصاری کا واقعہ مشہور ہے ان کا مدینے میں کھجوروں کا ایک شاندار باغ تھا رسول ﷺ کبھی کبھی وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے وہاں آرام فرماتے کھجوریں تناول فرماتے اور باغ کے کنویں کا شیریں پانی پیتے ایک مرتبہ ابو طلحہؓ اس باغ میں نماز پڑھ رہے تھے باغ پھلوں اور پھولوں سے لدا ہوا تھا اور پرندے ادھر ادھر اڑ رہے تھے دوران نماز اس خوش منظر فضا پر نگاہ پڑی تو توجہ بٹ گئی اور رکعتیں بھول گئے نماز سے فارغ ہو کر رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا کہ کس طرح باغ ان کے لئے



باعث فتنہ بن گیا پھر کہنے لگے میں اس باغ کو صدقہ کرتا ہوں آپ جس طرح چاہیں تصرف فرمائیں آپ نے فرمایا ”بہت خوب“ پھر اسے ابو طلحہؓ کے بعض اقارب میں تقسیم فرما دیا اس طرح کی اور بہت سی مثالیں ہیں جن میں ہمارے لئے عبرت ہے۔

امام غزالیؒ نے بھی احیاء العلوم میں اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے حضرت ابو طلحہؓ کا واقعہ نقل کیا ہے ذرا آگے چل کر

حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ

(دنیا کی محبت ہی گناہوں کی اصل وجہ ہے) (مشکوٰۃ)

کی وضاحت کرتے ہوئے وہ ایک دلچسپ مثال بیان کرتے ہیں کہتے ہیں ایک شخص ایک بڑے بڑے درخت کے نیچے بیٹھا ہے درخت کی بہت سی ٹہنیاں اور شاخیں ہیں جن پر چڑیاں بیٹھی شور مچا رہی ہیں اور اسے پریشان کر رہی ہیں وہ اس شور سے نجات پانے کیلئے لاٹھی لے کر اٹھتا ہے اور چڑیوں کو اڑا دیتا ہے اور پھر بیٹھ کر اپنے کام میں لگ جاتا ہے چڑیاں دوبارہ آکر شور مچاتی ہیں وہ اٹھ کر دوبارہ انہیں اڑاتا ہے اور چند لمحوں کے لئے سکھ کا سانس لیتا ہے چڑیاں پھر آجاتی ہیں غرضیکہ کئی مرتبہ اسی طرح ہوتا ہے اس پر ایک آواز آتی ہے کہ اگر اس شور و غل سے نجات حاصل کرنی ہے تو اس درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکو جس طرح کی کوشش تم کر رہے ہو اس طرح تو قیامت تک سکون اور جمعیت حاصل نہ کر سکو گے۔



امام صاحب کہتے ہیں حضرت ابو طلحہؓ نے یہی کیا کہ جو باغ ان کے لئے وجہ تشویش تھا اسے اپنے سے جدا کر دیا تاکہ نہ رہے بانس نہ بے بانسری پھر کہتے ہیں دنیا کی محبت برائی کی جڑ ہے بلکہ ہر فساد کا منبع ہے نفس کی خواہشات اصل سبب ہیں افکار کی یلغار کا اگر اس محبت پر تیشہ چلا دیا جائے تو بڑی حد تک افکار اور تشویشات سے چھٹکارا پانا اور اطمینان قلب حاصل کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔

بزرگوں کی رائے کا احترام برحق لیکن سوال یہ ہے کہ کیا

(1) خواہشات کے درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا ممکن ہے؟ کیا دنیا میں رہتے ہوئے اور عائلی زندگی بسر کرتے ہوئے مال دنیا سے یکسر بے نیلای ممکن ہے؟ یہ چیز پہلے بھی معطل تھی اور آج تو مشکل تر ہے ہم صوفیاء و زہداء اور تہمتیات کی نہیں عام آدمی کے نقطہ نظر سے بات کر رہے ہیں۔

(2) دنیا کو تاج دینے اور اسے تین طلاقیں دینے کا اللہ نے کہیں حکم نہیں دیا اسلام رہبانیت کے خلاف ہے وہ تو کہتا ہے

لَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا (البصص 77)

(دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہ کر)

دوسری جگہ زیادہ وضاحت سے اور زور دار انداز میں فرمایا۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ



مِنَ الرِّزْقِ ۖ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ (الاعراف 32)

”پوچھو کہ جو آرائش اور کھانے پینے کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کی ہیں ان کو حرام کس نے کیا ہے؟ کہہ دو کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کیلئے ہیں اور قیامت کے دن خاص انہی کا حصہ ہوں گی“

پس مطلوب صرف یہ ہے کہ خواہشات کے گھوڑے کو سرکش نہ ہونے دیا جائے اسے لگام ڈال کر رکھا جائے مطالبہ صرف یہ ہے کہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دی جائے قرآن پاک میں ہے۔

وَ أَمَّا مَنْ طَفَى ۝ وَ آثَرَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۝ فَإِنَّ الْجَهَنَّمَ  
هِيَ الْمَأْوَىٰ ۝ وَ أَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَ نَهَى  
النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ.

(النّازعات 37-41)

”پس جس نے سرکشی کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی اس کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور جس نے اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف کیا اور نفس کو بری خواہشات سے روکا اس کا ٹھکانہ جنت ہوگا“

دیکھئے دین کو دنیا پر ترجیح دینے اور نفس کو برائی سے روکنے ”نہ کہ



اس کی جڑ کاٹ دینے کی تلقین کی جا رہی ہے سورہ الاعلیٰ میں یہی مضمون ذرا مختلف انداز میں بیان ہوا ہے

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ۝ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى ۝  
 بَلْ تُؤَثِّرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْآخِرَةَ خَيْرٌ وَ  
 أَبْقَى ۝ إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى ۝ صُحُفِ  
 إِبْرَاهِيمَ وَ مُوسَى ۝ (الاعلیٰ 19-14)

”فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی اور اپنے رب کا نام یاد کیا پھر نماز پڑھی مگر تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے یہی بات پہلے آئے ہوئے صحیفوں میں بھی کہی گئی تھی..... ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں“

یہاں اصلاح نفس کیلئے تزکّی کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا مصدر تزکیہ ہے تزکیہ کے معنی سنوارنے اور پاکیزہ بنانے کے ہیں دونوں آیتوں کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہے

(1) آخرت دنیا سے بہتر ہے زندگی کے تمام امور میں اسے ترجیح دینی چاہئے۔

(2) نفس کی خواہشات خدا سے غافل کرتی اور دنیا کی محبت کی طرف لاتی ہیں اس لئے نفس کے سرکش گھوڑے کو کنٹرول میں رکھنا اور مہذب



بنانا ضروری ہے تاکہ وہ اپنی حد سے تجاوز نہ کرے۔

اسلام نے اوامر و نواہی کا جو نظام دیا ہے اس پر شعوری طور پر عمل کرنے سے نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے اور دل میں دنیا کی محبت کم ہو جاتی ہے۔ مثلاً ایک مسلمان نماز کے وقت ساری دلچسپیوں اور پسندیدہ مشاغل کو چھوڑ کر عبادت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ روزے میں بارہ چودہ گھنٹے تک نفس کے تقاضوں کو دبا کر رکھتا ہے زکوٰۃ و صدقات ادا کر کے محبت مال پر ضرب لگاتا ہے۔ حج کے دوران چھوٹی بڑی بہت سی پابندیوں کو قبول کرتا ہے جنہوں میں شریک ہو کر دنیا کی بے ثباتی کا سبق حاصل کرتا ہے وغیرہ ان سب اعمال سے نفس کی خوب کھچائی ہوتی ہے اور اس کا تزکیہ ہوتا ہے۔ بندے کے دل میں دنیا کی محبت کم ہوتی ہے اور وہ خدا سے اور اسکی یاد سے وابستہ رہتا ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ صوفیہ اور دراویش جب ترک دنیا کی یا نفس کو مارنے کی بات کرتے ہیں تو اس سے ان کی مراد نفس کی تہذیب و تربیت ہی ہوتی ہے بلاشبہ یہ چیز مطلوب ہے اور بڑی اہمیت کی حامل ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ کیا بیوی بچوں سے، سواری سے، مکان سے اور روزگار وغیرہ سے دستبرداری اختیار کر لی جائے؟ نہیں یہ تو سرے سے امتحان ہی سے کنارہ کشی کے مترادف ہوگا۔ مطلوب امتحان سے جان چھڑانا نہیں اسے پاس کرنا اور اس سے سرخرو ہو کر نکلنا ہے۔ یوں



بھی ہمارے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی مثالی اور صحابہ کرام کا طرز عمل ہی عمدہ نمونہ ہے۔ انہوں نے تو دین و دنیا دونوں کو نبھایا ہے۔ البتہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دی ہے۔ ہمیں بھی چاہیے کہ دنیا اور اس کی مرغوبات سے بس اتنی ہی محبت کریں جتنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے اور جس کی حقوق العباد کے تناظر میں مجبوری ہوتی ہے۔ اصل محبت اللہ اور اس کے رسول سے ہونی چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بھی اس لئے ہے کہ وہ اللہ کے حبیب ہیں اس کا راستہ دکھانے والے، اس سے جڑنے کا طریقہ بتانے والے اور ہمارے بے حد خیر خواہ ہیں ورنہ درحقیقت محبت کا محور و مرکز اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات پاک ہی ہے۔



## دوسری فصل

## وساوس کا دفعیہ

حضرات اب تک گفتگو اس نکتے پر مرکوز رہی کہ وہ کونسی تدابیر ہیں جن کے اختیار کرنے سے وساوس کو پیدا ہونے سے روکا جاسکتا ہے۔ آئیے اب مسئلہ وساوس کے دوسرے جزء پر غور کریں یعنی یہ کہ اگر مندرجہ بالا تدابیر اختیار کرنے کے باوجود کچھ وساوس نمازی کے ذہن پر حملہ آور ہوں تو انہیں روکنے اور بے اثر بنانے کے لئے کیا کچھ کیا جاسکتا ہے۔

## متبادل خیال سے وسوسے کو دور کیا جاسکتا ہے

بنیادی اور اصولی بات یہ ہے کہ ذہن کو کسی دوسرے خیال کی طرف موڑ دیا جائے اس طرح وسوسہ ختم ہو جائے گا کیونکہ ماہرین نفسیات کے مطابق انسانی ذہن ایک وقت میں ایک ہی چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے بیک وقت کئی چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا پس نمازی کو چاہیے کہ اپنے ذہن کو کسی ایسے خیال کی طرف موڑ دے جس کا تعلق عبادت سے ہو۔ اس طرح ذہن وسوسے سے ہٹ جائے گا اور نماز میں خلل بھی نہیں آئے گا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ متبادل خیال یا چیز کیا ہو جس کی طرف ذہن کو منتقل کیا جائے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنے ایک مکتوب میں اس سوال کا یہ جواب دیا ہے۔



اس کی کئی صورتیں ہیں۔

(1) بندہ ذاتِ حق کی طرف متوجہ ہو جائے۔ مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ یا

(2) حساب کتاب کے آنے والے وقت کو مثل حاضر کے فرض کر لے کہ گویا میں حق تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ عبادت مطلوبہ کا نمونہ پیش کرو، اگر حسب پسند ہوئی تو حساب میں رعایت کا سبب ہو جائے گی

(3) یہ فرض کرے کہ یہ گویا بالکل آخری نماز ہے۔ شاید اس کے بعد عمر ختم ہو جائے اور پھر نماز نصیب نہ ہو۔

(4) وں خیال کرے کہ خانہء کعبہ میرے سامنے ہے اور اس پر تجلیات نازل ہو رہی ہیں اور اس سے وہ تجلیات میری طرف آرہی ہیں اور جتنی اچھی نماز پڑھوں گا وہ تجلیات زیادہ فائز ہوں گی۔

(5) جو الفاظ منہ سے نکلتے ہیں ان کی طرف توجہ رکھے خواہ الفاظ و معانی دونوں کو زیر غور رکھے یا صرف الفاظ کو۔

”ان تدابیر سے وہ وساوس جو بلا اختیار آئے تھے دفع ہو جائیں گے۔“

(ترتیب السالک جلد سوم صفحہ 38)

مندرجہ بالا تمام نکات اپنی جگہ اہم اور مفید مطلب ہیں نیز اس طرح کی اور صورتیں بھی ممکن ہیں اور ہر شخص کے ذوق اور صلاحیت کے



لحاظ سے ان کی موزونیت اور افادیت کم و بیش ہو سکتی ہے مگر مذکورہ بالا نکات میں سے نکتہ نمبر 5 (نماز کے الفاظ و معانی پر توجہ مرکوز کرنا) بہت اہم ہے اور تقریباً سب کے لئے مفید بھی بلکہ اس میں افادیت کے کئی پہلو ہیں۔

اگر ہم نماز کو ایک شعوری اور جاندار عمل بنانا چاہتے ہیں تو اس کے بغیر چارہ نہیں کہ ہم نماز کے اذکار اور دعاؤں کے ایک ایک جملے کو سمجھتے ہوئے اور اس کا اثر قبول کرتے ہوئے پڑھیں اس طرح و ساوس بھی ختم ہو جائیں گے اور مناجات با معنی بن کر حضوری کا ذریعہ بھی بن سکے گی۔ آئیے اس نکتے کے مختلف پہلوؤں کا ذرا تفصیل سے جائزہ لیں۔

## نماز کا شعوری طور پر پڑھنا

قرآن حکیم میں ہے۔

اقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي (طہ 14)

میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ

الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ

(الاعراف 205)

الْغَافِلِينَ



(اپنے رب کو صبح و شام یاد کرو دل ہی دل میں زاری و خوف کے ساتھ اور زبان سے بھی ہلکی آواز کے ساتھ اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کا مقصد آقا و مالک کی یاد ہے جب نماز کو اللہ کی یاد بنانا مقصود ہے تو اس کی غیر شعوری طور پر ادائیگی اور غفلت کے ساتھ رٹے رٹائے جملوں کو دہرا دینے سے یہ مقصد کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ جب تک اذکار کو شعوری طور پر نہ پڑھا جائے اور دل ان الفاظ کے مفہوم لٹی تائید و تصدیق کر کے زبان سے ہم آہنگ نہ ہو جائے نماز ذکر کیسے بنے گی۔

(2) قرآن پاک میں ایک جگہ ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ

حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ

(النساء 43)

(اے ایمان والو نماز کے قریب نہ جاؤ جب تم نشے میں ہو

یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو تم کہتے ہو)

یہ آیت حرمت خمر کے سلسلے میں نازل ہوئی۔ اس وقت تک شراب کی قطعی حرمت ابھی نازل نہیں ہوئی تھی مگر لوگوں کے ذہنوں کو اس کے لئے تیار کیا جا رہا تھا۔ کہا گیا کہ ایسے موقع پر شراب نوشی نہ کیا کرو جب نماز کا وقت قریب ہو کیونکہ ذہن پر شراب کا اثر باقی ہوگا تو اس حالت میں نماز کو



کچھ معلوم نہ ہو گا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے، زبان سے کیا کہہ رہا ہے۔  
 مگر اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز ایک شعوری عمل ہے  
 نمازی کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کس کے سامنے کھڑا ہے اور کیا کہہ رہا ہے۔  
 جو چیز اس شعوری عمل کو بے معنی بنا دے اس سے بچنا لازمی ہے۔ اگر شراب  
 کے علاوہ کوئی اور چیز ایسی ہو جو نماز کے الفاظ و معنی سے اور عبودیت کے  
 احساس سے غافل کرنے والی ہو تو اس سے اجتناب بھی اسی طرح ضروری ہو  
 گا۔ پس اگر کوئی شخص نماز کے دوران دنیا کے خیالات و وساوس میں الجھا رہے  
 اور انہیں دور کرنے کی کوشش بھی نہ کرے تو ظاہر ہے اسے نماز سے کچھ  
 حاصل نہ ہو گا۔

(3) یہی حال دیوانے کا ہے۔ اس پر نماز فرض نہیں کیونکہ نماز ایک  
 شعوری عمل ہے۔ جسے یہ معلوم ہی نہ ہو کہ وہ کہاں کھڑا ہے کس سے  
 مخاطب ہے اور کیا کہہ رہا ہے اس کی نماز چہ معنی دارد؟  
 پس نمازی کو چاہیے کہ نماز کے جملوں کو سمجھتے ہوئے اور اس کے اثر  
 کو قبول کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ وہ سمجھ رہا ہو کہ وہ اپنے آقا سے کیا کہہ رہا  
 ہے۔ غلام اپنے آقا سے کچھ عرض کر رہا ہے کچھ مانگ رہا ہے کچھ کرنے اور کچھ  
 نہ کرنے کا اقرار و عہد کر رہا ہے۔ یہ بات غیر معقول ہوگی کہ اسے معلوم ہی  
 نہ ہو کہ وہ کیا مانگ رہا ہے اور کیا عہد کر رہا ہے۔ جب وہ کہے سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ  
 وَ بِحَمْدِكَ تو اسے معلوم ہو کہ اس نے اللہ کی پاکیزگی اور حمد و ثناء بیان کی



ہے۔ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ کہے تو اسے معلوم ہو کہ اس نے اللہ کے پاک نام کی برکت کا اعتراف کیا ہے۔ غرضیکہ ہر جملہ سمجھ سمجھ کر زبان سے نکالے۔ محض یاد سے نہ پڑھے بلکہ مستقل ارادے سے پڑھے اور دل میں اس کی معنویت کو محسوس کرے۔ جب وہ اس طرح پڑھے گا اور اس طرح محسوس کرے گا۔ تبھی اس کا پڑھنا ذکر اور اس کا بولنا مناجات ہو گا۔ اور اس کے دل و دماغ اور روح پر اس مناجات کے اثرات مرتب ہوں گے۔

حضرات، اسلام معقولیت کا دین ہے، علم و شعور کا دین ہے۔ اس نے ہر مسلمان مرد اور عورت پر علم حاصل کرنا ایسے ہی فرض قرار نہیں دیا۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ اس کے نام لیوا چند رٹے رٹائے جملے طوطے کی طرح بے شعوری کے ساتھ دن میں چند مرتبہ دہرا دیں..... اس طرح کہ نہ دل حاضر ہو نہ دماغ، پھر اس پر مطمئن ہو جائیں کہ انہوں نے عبودیت کے تقاضے پورے کر دیئے اور اللہ کا حق ادا کر دیا۔ جی نہیں، ہر مسلمان کو چاہیے کہ نماز میں پڑھی جانے والی سورتوں کا اور دوسرے اذکار کا ترجمہ ضرور سیکھے اور اپنی نماز کو مناجات اور روحانی غذا بنائے تاکہ وہ ہر روز اخلاقی قوت کے لحاظ سے مضبوط تر و روحانی لحاظ سے قوی تر اور اپنے آقا و مولا سے قریب تر ہوتا چلا جائے۔

نماز کے اذکار کے الفاظ و معانی پر غور کرنے کا دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ توجہ مرکوز کرنے میں مدد ملتی ہے اور خیالات و وساوس کا سلسلہ رک



جاتا ہے۔ نمازی کو چاہیے کہ خوب چوکنا رہے اور جب بھی دنیا کا کوئی خیال یا وسوسہ آئے تو اس پر متنبہ ہو کر اسے فوراً ذہن سے جھٹک دے اور دوبارہ ان الفاظ پر توجہ مرکوز کر دے جو وہ زبان سے ادا کر رہا ہے یوں وسوسہ ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ انسانی ذہن کا خاصہ ہے کہ وہ ایک وقت میں ایک ہی چیز کی طرف متوجہ ہو سکتا ہے۔ جب آپ اسے وسوسے کی طرف سے ہٹا کر نماز کے الفاظ و معانی کی طرف لائیں گے۔ تو وسوسہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ یوں وساوس کو ذہن سے جھٹکنے اور نماز کی طرف لانے کی مشق کو جاری رکھا جائے۔ یہ کشمکش ایک ریاضت اور ایک مجاہدہ ہے جس کے مثبت اثرات کچھ دنوں بعد ظاہر ہونے لگتے ہیں یعنی وساوس کم ہو کر یکسوئی اور دلجمعی حاصل ہوتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

اگر اس طرح وساوس میں کمی واقع نہ بھی ہو حتیٰ کہ ساری عمر اسی کشمکش میں گزر جائے تو بھی اس کا کچھ نقصان نہیں بلکہ اس ریاضت اور مجاہدے پر نمازی کے لئے اجر و ثواب ہے بلکہ بزرگوں نے تو یہ بھی کہا ہے کہ وساوس کا آنا بندے کے ایمان کی دلیل ہے کیونکہ چور یا ڈاکو وہیں آتا ہے جہاں مال موجود ہو۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہ لیا جائے کہ وساوس کو دور کرنے کی ضرورت نہیں۔ ضرورت تو ہے اور یہ کوشش ضرور کرنی چاہیے لیکن زیادہ تشویش میں بھی مبتلا نہ ہونا چاہیے۔ بعض لوگ وساوس سے گھبرا کر نماز پڑھنا ہی چھوڑ دیتے ہیں کہ ایسی نماز کا کیا فائدہ۔ حالانکہ یہ شیطان کا مغالطہ ہے۔



ہاں تو یہ بات ہو رہی تھی کہ ہر مسلمان کو نماز کا ترجمہ سیکھنا چاہیے اور نماز پڑھتے وقت ہر جملے کے مفہوم و معنی پر نظر رکھنی چاہیے۔ اب ہم بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر نمازی الفاظ کا مفہوم نہ سمجھتا ہو تو محض الفاظ پر توجہ مرکوز کرنے سے بھی وساوس دور ہو جاتے ہیں۔ اسے چاہیے کہ ایک ایک جملے پر ذہن کو ٹکائے کہ اب میں سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ کہ رہا ہوں اب و تَبَارَكَ اسْمُكَ پڑھ رہا ہوں اب میری زبان پر وَ تَعَالَى جَدُّكَ ہے وہ جملوں کو محض یاد سے نہ پڑھے بلکہ مستقل ارادے سے پڑھے اس طرح پڑھنے سے اس کا ذہن بھٹھے گا نہیں اور وہ باہر کے خیالات و وساوس سے محفوظ رہے گا اور یہ بھی بہت غنیمت ہے۔

### احضار اور حضور ۱

ایک دفعہ پھر حضرت تھانویؒ کا حوالہ۔ ایک مرید نے شکایت کی کہ نماز میں ادھر ادھر کے خیالات بہت پریشان کرتے ہیں۔ رکعتیں تک بھول جاتا ہوں بہت رنج ہوتا ہے۔ یکسوئی اور دلجمعی کے لئے کوئی تدبیر بتائیے مولانا نے فرمایا۔

۱ احضار: اپنے آپ کو حاضر اور پیش کرنا۔

حضور: بارگاہِ عالیہ میں پیشی اور حضوری



”دیکھتے دو چیزیں ہیں ایک احضار دوسری حضور۔ احضار پر بندے کو اختیار ہے حضور پر نہیں۔ لوگ دو غلطیاں کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ احضار کا قصد نہیں کرتے دوسری یہ کہ حضور کا قصد کرتے ہیں۔“

(ترتیب السالک جلد سوم 268)

مولانا کا جواب بہت پر مغز اور خوبصورت ہے ہم اس کی تھوڑی وضاحت کریں گے۔ بات یہ ہے کہ بندہ اپنے اختیار کی حد تک ہی مکلف ہے اور اختیار اسی حد تک ہے کہ نمازی غیر مطلوب خیالات کو خود نہ لائے اور بلا قصد ارادہ آجائیں تو ان کو دفع کر دے پھر آجائیں پھر دفع کر دے اور یہ سلسلہ آخر تک جاری رکھے۔ خیالات و وساوس کا آنا غیر اختیاری ہے اور جو چیز انسان کے اختیار میں نہیں اس پر اسے قصور وار نہیں ٹھہرایا جائے گا۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

(اللہ کسی شخص پر اس کی طاقت سے بڑھ کر ذمہ داری نہیں

(البقرہ 286)

ڈالتا)

اس کے ذمے بس یہی ہے کہ جب بھی نماز کے منافی خیالات آئیں انہیں ذہن سے جھٹک دے۔ ہاں اگر وہ یہ کوشش نہیں کرے گا تو یہ اس کی تقصیر ہوگی اور اس پر اس سے باز پرس ہوگی۔ پس احضار یہ ہے کہ بندہ وساوس کو دور کر کے یکسوئی کے ساتھ اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے سامنے پیش



کرنے کی کوشش کرے اور جب وہ مذکورہ طریقے پر پیش ہونے میں کامیاب ہو جائے تو اس حالت کو حضور یا حضور ہی کہیں گے۔

مولانا کا ارشاد ہے کہ احضار کی کوشش نہ کرنا اور حضور ہی کی تمنا کئے جانا اور اس کے درپے ہونا بندے کی غلطی ہے کیونکہ یہ اس کے اختیار ہی میں نہیں۔ بندے کے ذمے عمل اور اپنی وسعت کے مطابق کوشش ہے یہ کوشش کس حد تک قبول ہوتی ہے اور اس کا دنیا یا آخرت میں کیا ثمرہ ملتا ہے یہ مالک کی مرضی پر موقوف ہے۔ بعض اوقات بندے کو دل جمعی یا لذت و حلاوت یا خاص قسم کی کیفیات عطا ہو جاتی ہیں۔ انہیں قدرت کا عطیہ سمجھنا چاہیے (نہ کہ اپنا استحقاق) خلاصہ کلام یہ کہ بندے کے ذمے مخلصانہ کوشش اور طلب توفیق ہے اور بس۔



## پانچواں باب

اصل علاج..... اللہ سے محبت

اہل محبت کی پہچان

رسمی نمازیں

یہ منافقت ہے

پس چہ باید کرد؟

دعائے قنوت کی معنویت



حضورِ دل کے سلسلے میں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ دل اسی چیز کی طرف مائل ہوتا ہے جسے انسان اہم سمجھے یا جس کی اسے فکر ہو گویا جب نمازی کا دل نماز میں نہ لگے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی دنیوی چیز یا مسئلے کی طرف مائل ہے، اس کے ساتھ اٹکا ہوا ہے۔ نمازی نے اس چیز کو زیادہ اہم سمجھا اس لئے دل اس کی طرف مائل ہو گیا۔

پس اصل علاج یہ ہے کہ رضائے الہی کو اپنا مقصود اور دل کو اللہ کی محبت کا مرکز بنایا جائے۔ ایک سچے مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کی ذات سے بڑھ کر اور کون محبوب ہو سکتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ  
(کچھ لوگ ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مد مقابل بناتے ہیں اور ان کے ایسے گرویدہ ہیں جیسی اللہ کے لئے گرویدگی ہونی چاہیے مگر اہل ایمان کی تو خصوصیت ہے کہ ان کی اللہ کے لئے محبت ہر چیز کی محبت سے بڑھ کر ہوتی ہے)

(البقرہ 165)

جب اللہ کی محبت دنیا اور اس کی سب چیزوں کی محبت پر غالب ہوگی اور اس کی رضا کی فکر تمام فکروں سے بڑھ کر ہوگی تو دل خود بخود نماز میں لگے گا کیونکہ اپنا مقصود حاصل ہوتا نظر آئے گا۔



طیب عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا  
ترا مرض ہے فقط آرزو کی بے نیشی

(اقبال)

یعنی تجھے ابھی تک محبت کا ڈنک نہیں لگا۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کی خلش  
تجھے دوسری تمام فکروں سے آزاد کر دیتی۔

## اہل محبت کی پہچان

محبت کی کچھ علامات ہوتی ہیں جن سے اہل محبت کی پہچان ہو جاتی  
ہے۔ ان میں سے ایک علامت یہ ہے کہ انسان کو جس سے محبت ہوتی ہے  
اس کی معیت سے اور اس کے ساتھ گفتگو کرنے سے اسے راحت اور لذت  
محسوس ہوتی ہے اور وہ ایسے لمحات کو طویل تر کرنے کا خواہشمند ہوتا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ جب نماز کا وقت قریب آتا تو نبی کریم صلی  
اللہ علیہ وسلم بیوی بچوں اور دنیوی امور کو چھوڑ کر نماز کی طرف متوجہ ہو  
جاتے حضرت عائشہؓ کہتی ہیں حضور ﷺ گھر میں ہم سے باتیں کر رہے  
ہوتے مگر جب نماز کا وقت ہو جاتا تو ایسے لگتا جیسے آپؐ ہم کو جانتے اور  
پہچانتے ہی نہیں۔ یہ بھی حدیث میں ہے کہ جب نماز کا وقت قریب آتا تو آپؐ  
حضرت بلالؓ سے فرماتے ”بلالؓ اذان دو تاکہ ہم نماز سے راحت حاصل  
کریں۔ یہاں راحت کا لفظ (أرحنا) قابل غور ہے۔ گویا آپؐ بیوی بچوں میں



بیٹھتے، دنیا کے دوسرے امور میں بھی مشغول ہوتے مگر ان سب چیزوں کے مقابلے میں اللہ کے ذکر سے آپ کو زیادہ محبت تھی۔ نماز میں آپ کو ایسی راحت اور ایسا لطف و سرور ملتا جو دنیا کی چیزوں میں نہیں ملتا تھا جیسا کہ آپ یہ فرماتے تھے کہ بلال ہمیں نماز سے راحت پہنچاؤ۔

ہمیں چونکہ دنیا کی چیزوں سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ یعنی بیوی بچوں سے، مکان سے، سواری سے اور کاروبار وغیرہ سے اس لئے ہم انہی کی فکر میں منہمک رہتے ہیں ان چیزوں کی محبت ہمارے دل میں مالک حقیقی کی محبت سے اور اس کی یاد سے زیادہ ہوتی ہے (گو ہم زبان سے اس کا اعتراف نہ کریں) لہذا انہی میں مشغول ہونا ہمیں زیادہ محبوب ہوتا ہے پس نماز میں دل لگے تو کیونکر اور ذکر میں راحت و سکون محسوس ہو تو کیسے؟

## رسمی نمازیں

کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہماری نمازیں محض رسمی اور بطور عادت ہیں ایسی نمازوں کو راحت و سکون سے خالی ہونا ہی چاہیے۔ اول تو ہمیں معلوم ہی نہیں ہوتا کہ ہم زبان سے جو الفاظ ادا کر رہے ہیں ان کا مفہوم کیا ہے بے شعوری سے رٹے رٹائے الفاظ کی جگالی میں اثر کہاں سے آئے؟ نہ ارکان نماز کی ادائیگی میں سکون و اعتدال نہ شہنشاہ کائنات کی عظیم بارگاہ میں حاضری کا احساس۔ نہ بندہ خطا کار کی سی عاجزی و مسکینی کا اظہار نہ مالک الملک کی عظمت



و کبریائی کا احساس۔ ہمارا طرز عمل تو کچھ ایسا ہوتا ہے جیسے ایک بوجھ ہے اور اسے جیسے تیسے سر سے اتارنا ہے اور کچھ رٹی ہوئی عبارتیں ہیں جنہیں عجلت کے ساتھ ہوا میں پھونک دینا ہے۔ دل کا یہ حال کہ دوکان یا کاروبار میں اٹکا ہوا ہے یا بیوی بچوں یا دوستوں میں مشغول ہے۔ ایسی نماز میں لذت و حلاوت محسوس ہو تو کیسے؟ مناجات کی لذت تو ایک عظیم نعمت ہے اور یہ صرف اس بندے کو ملتی ہے جس سے اس کا مالک راضی ہو۔ کیا منافق غلام سے اس کا آقا راضی ہو سکتا ہے؟

## یہ منافقت ہے

منافقت کیا ہے؟ منافقت یہ ہے کہ انسان کا قول یا عمل یا دونوں اس چیز کے خلاف ہوں جو اس کے دل میں ہے یعنی انسان کا ظاہر اس کے باطن سے ہم آہنگ نہ ہو۔

آئیے اپنی حالت پر غور کریں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ صرف اللہ رب العزت کی ذات ہی عبادت کے لائق ہے کسی دوسری ہستی کا یہ استحقاق نہیں کہ اس کی غیر مشروط اطاعت کی جائے اب اگر اس عقیدے کے باوجود ہم اللہ کے احکام کو چھوڑ کر غیر اللہ کے احکام و قوانین کی پیروی کرتے ہیں اور انہیں زیادہ اہمیت دیتے ہیں تو کیا یہ منافقت نہیں؟ حدود و تعزیرات کا معطل کرنا، سودی نظام معیشت کی ترویج، اسلامی اصولوں کے خلاف قانون سازی اور



مغربی جمہوریت کی پیروی میں اکثریت کے تمام فیصلوں کو برحق تسلیم کرنے کا اصول اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔

پس جب ہم خالق کائنات سے صرف نظر کر کے اہل اقتدار کو نفع و نقصان کا مالک سمجھنے لگتے ہیں تو اس وقت ہمارا توحید پر اور توکل پر ایمان کا دعویٰ کہاں جاتا ہے؟

اسی طرح جب ہم اللہ تعالیٰ سے صرف نظر کر کے بزرگان دین کی قبروں پر جہہ سائی کرتے اور اپنی حاجات کے سلسلے میں ان سے دعائیں کرتے ہیں تو ہمیں **وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۗ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ (البقرہ 186)**

اور اے نبی میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انہیں بتادو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں۔

اور **أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ (الزمر 36)** کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں کے قرآنی فرامین کو بھول جاتے ہیں۔

نیک لوگوں کی برکت تسلیم لیکن دعا خالق سے مانگنی چاہیے نہ کہ مخلوق سے، مدد کے لیے درخواست مسبب سے کرنی چاہیے نہ کہ سبب سے! ہمیں یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ ہم جو نماز کی ہر رکعت میں **إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ** (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں) پڑھتے ہیں تو کیا ہمارا عمل اس کے خلاف تو نہیں؟ یہ قول و عمل کا تضاد اور منافقت تو نہیں؟



## دعائے قنوت کی معنویت

نمازوتر میں ہم ہر روز دعائے قنوت پڑھتے ہیں۔

کبھی آپ نے اس کے الفاظ پر غور فرمایا؟ یاد دہانی کے لئے عام طور پر

پڑھی جانے والی دعائے قنوت کے الفاظ اور ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ  
عَلَيْكَ وَنُثْنِي عَلَيْكَ الْخَيْرَ وَنَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ  
وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَفْجُرُكَ. اللَّهُمَّ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ لَكَ  
نُصَلِّي وَ نَسْجُدُ وَ إِلَيْكَ نَسْعِي وَ نَحْفِدُ وَ نَرْجُو  
رَحْمَتَكَ وَ نَخْشَى عَذَابَكَ إِنَّ عَذَابَكَ بِالْكَفَّارِ  
مُلْحِقٌ.

ترجمہ : (اے مالک ہم صرف تجھی سے مدد مانگتے ہیں اور تجھی سے  
اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں۔ ہمارا بس تجھی پر ایمان اور تجھی  
پر بھروسہ ہے۔ ہم تیری اچھی تعریف کرتے ہیں اور تیرا شکر ادا  
کرتے ہیں اور ناشکری نہیں کرتے اور الگ کر دیتے ہیں اور چھوڑ  
دیتے ہیں اس شخص کو جو تیری نافرمانی کرے۔ اے اللہ ہم تیری  
ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے ہی لئے نماز پڑھتے ہیں اور  
سجدے کرتے ہیں اور تیری ہی طرف دوڑتے ہیں۔ اور خدمت  
کے لئے حاضر ہوتے ہیں تیری رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور  
تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں بے شک تیرا عذاب کافروں کو ملنے  
والا ہے)



غور کیجئے ہم کتنے زور دار الفاظ کے ساتھ اور کتنے دو ٹوک انداز میں اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ ہمارا بھروسہ صرف تیری ذات پر ہے اور ساری امیدیں صرف تجھ سے وابستہ ہیں۔ پھر یہ الفاظ دیکھئے۔ ”ہم اس شخص کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اپنے سے الگ کر دیتے ہیں جو تیری نافرمانی کرے۔“

اللہ اللہ کہاں ہم اور کہاں یہ مقام، کہ ہمارے ماں باپ، بہن بھائی، بیوی بچے دوست احباب میں سے جو بھی تیری نافرمانی کرے گا۔ ہم اسے چھوڑ دیں گے اپنے سے الگ کر دیں گے۔ سوچئے کیا ہمارے شب و روز کے طرز عمل اور اس دعا میں کوئی مطابقت ہے؟ اگر نہیں ہے تو کیا یہ منافقت نہیں؟ قول و عمل کا تضاد نہیں؟

اس ساری گفتگو سے ہم جس چیز کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہمارے اعمال ہمارے قول سے اور عقیدے سے ہم آہنگ نہیں اور یہ منافقت ہے۔ جب تک ہم یہ منافقت چھوڑ کر مخلص اور یکسو مسلمان بننے کی کوشش نہیں کرتے ہماری دعائیں اور نمازیں کیونکر قبول ہوں اور ذکر کی حلاوت کیسے نصیب ہو! ذکر کی لذت تو مخلصین کو ملتی ہے۔

آپ خود فیصلہ کیجئے۔ اگر آپ کا کوئی ملازم منافقانہ طرز عمل رکھتا ہو یعنی زبانی کلامی تو آپ کی تعریف کرتا اور محبت کا دم بھرتا ہو لیکن عملاً آپ کی نافرمانی کرتا ہو تو کیا آپ اسے پسند کریں گے اور انعامات سے نوازیں گے۔ پسند کرنا اور انعام دینا تو دور کی بات ہے آپ اسے کان سے پکڑ کر گھر سے نہ



نکال دیں گے کہ یہ نمک حرام کھانا ہمارے گھر سے کھاتا ہے، تجواہ ہم سے لیتا ہے مگر اطاعت و فربرداری دوسروں کی کرتا ہے۔

کیا ہمارا حال بھی اس منافق ملازم کا سا نہیں، ہم رزق اپنے رب کا دیا ہوا کھاتے ہیں، اسکی دی ہوئی بیشمار نعمتوں سے دن رات مستفید ہوتے ہیں..... پھر بھی ہمیں اس کے احکام کی مخالفت کرتے ہوئے شرم نہیں آتی کیا جھوٹ، غیبت، والدین کی نافرمانی، اسراف و تبذیر، سود خوری، فرائض کی ادائیگی میں غفلت وغیرہ برائیاں ہم میں نہیں پائی جاتیں؟ کیا اللہ نے اپنے کلام پاک میں ان چیزوں کو حرام نہیں ٹھہرایا؟ یہ تو انفرادی گناہ ہیں، اجتماعی دائرے میں نافرمانیاں اور بھی زیادہ ہیں۔ رشوت، ناجائز سفارشیوں، دوسروں کا حق مارنا، اللہ کے قوانین کے مقابلے میں انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کا نفاذ اور برادریوں کے رسوم و رواج کی پابندی اور سودی نظام معیشت کو ساری خباثتوں سمیت قبول کر لینا، کیا یہ سب چیزیں اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی نہیں؟ ان سب چیزوں کے ہوتے ہوئے اس خوش فہمی میں رہنا کہ اللہ ہم سے راضی ہوگا، ہماری دعائیں قبول کرے گا اور اپنے ذکر کی لذت سے ہمیں بہرہ مند کرے گا پر لے درجے کی حماقت ہے۔



## پس چہ باید کرد

پس جو شخص واقعتاً اپنی عبادات کو سنوارنا چاہتا ہو اپنی نماز میں سوز و گداز اور لذت و حلاوت کی چاشنی پیدا کرنا چاہتا ہو اور اسے اخلاقی قوت کے حصول اور تعمیر سیرت و کردار کا ذریعہ بنانا چاہتا ہو اسے چاہیے کہ گزشتہ صفحات میں بیان کردہ تجاویز سے استفادہ کرے۔ یہ تجاویز قرآن و سنت سے اخذ کی گئی ہیں ہماری یا کسی دوسرے فرد کی ذہنی اختراع نہیں ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اپنی زندگی کی موجودہ ڈگر کو تبدیل کریں۔ جہاں تک ہو سکے رزق حلال کا اہتمام کریں مُسرفانہ طرز زندگی چھوڑ کر سادگی اور کفایت شعاری کی روش اختیار کریں نیز پورے خلوص اور لگن سے اپنی عبادات کو سنوارنے کی فکر میں لگ جائیں ان کاموں کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کریں جو اس مشن کے حصول میں معاون ہوں اور ایسی باتوں سے پرہیز کریں جو اس کے خلاف ہوں۔

اس ضمن میں بعض تجاویز آئندہ صفحات میں 'خشوع کے معاونات' کے عنوان سے پیش کی جا رہی ہیں۔



# چھٹا باب

## خشوع کے معاونات

اخلاص

رزق حلال

گناہوں سے اجتناب

نیک لوگوں کی رفاقت

حرف آخر



## خشتوع كے معاونات

خشتوع كے معاونات سے مراد ایسے امور ہیں جن كا نماز سے براہ راست تعلق تو نہیں لیكن نمازوں كو جاندار اور موثر بنانے میں ان كا بڑا دخل ہے مثلاً اغلاص عمل، رزق حلال، گناہوں سے اجتناب، نيك لوگوں كی رفاقت و غیر۔ اگر ہم واقعتاً اپنی عبادات كو سنوارنا چاہتے ہیں اپنی نماز میں سوز گداز اور لذت و حلاوت كی چاشنی پیدا كرنا چاہتے ہیں اور اسے اخلاقی قوت اور تعمیر سیرت و كردار كا ذریعہ بنانا چاہتے ہیں تو ان امور سے صرف نظر ممكن نہیں۔ اس ضمن میں ہم سب سے پہلے 'اخلاص عمل' كا ذكر کریں گے

### اخلاص

اخلاص کیا ہے؟

مومن اپنے تمام اعمال میں اللہ كے احكام كو پیش نظر ركھتا اور اس كی رضا كو مطلوب و مقصود سمجھتا ہے۔ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں مالک كی پسند و ناپسند كا خیال ركھتا ہے اور اسے اپنی اولین ترجیح بنا تا ہے یہی اخلاص ہے۔

### اخلاص كی اہمیت

دعاؤں میں اور عبادات میں اخلاص كی اہمیت بہت زیادہ ہے کیونكہ اس كے بغیر نہ وہ قبولیت كے لائق بنتی ہیں نہ ان میں تاثیر پیدا ہوتی ہے بڑے سے بڑا نيك عمل بھی اگر اخلاص اور رضائے الہی كی سپرٹ سے خالی ہو



تو اللہ کے نزدیک اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس بظاہر چھوٹا اور معمولی عمل بھی اخلاص کی بدولت قیمتی بن جاتا ہے گویا اخلاص نیت شرط ہے اور قبولیت عمل مشروط اور کہتے ہیں إِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوطُ جب شرط ہی موجود نہ ہو تو مشروط کا کیا سوال!

اس موقع پر وہ مشہور حدیث سطح ذہن پر ابھرتی ہے جو 'حدیث جبریل' کے نام سے موسوم ہے۔ حدیث کا آخری حصہ اس طرح ہے کہ حضرت جبریلؑ نے جو ایک سائل کی شکل میں نبی اکرم ﷺ سے سوالات کر رہے تھے پوچھا کہ احسان کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ

(احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے گویا تو

اسے سامنے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو پھر (یہ تو

ہو کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے)

حدیث کے الفاظ میں کمال درجے کی بلاغت ہے۔ چند الفاظ میں

عظیم الشان فلسفہ بیان کر دیا گیا ہے۔ نمازی نماز کا حق تبھی ادا کر سکتا ہے

جب وہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اپنے آپ کو حاضر سمجھے۔ یوں خیال

کرے کہ میرا مالک میرے عمل کو دیکھ رہا ہے۔

نمازی کی یکسوئی اور انہماک ایسا ہو کہ ایک رب کے علاوہ ہر چیز اس

کی نگاہ سے او جھل ہو جائے۔ ظاہر اور باطن کی تمام تر توجہ سمت کرا ایک نکلتے



پر مرکوز ہو جائے اور عبد و معبود کے درمیان جو رابطہ قائم ہوا ہے اس میں غیر کا دخل بلکہ احساس تک نہ رہے۔ یہی عبودیت کا درجہء کمال ہے اور یہی ایمان کا سب سے اونچا اور آخری مقام ہے الصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِينَ (نماز مومن کی معراج ہے) کا مفہوم بھی یہی ہے کیونکہ مومن اس معراج تک نماز کے ذریعے ہی پہنچ سکتا ہے۔

قرآن پاک میں اخلاص و للہیت کا سبق بہت سے مقامات پر دہرایا گیا ہے مثلاً

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ  
مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ۚ آلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ.

(الزمر 3)

ترجمہ: (اے نبیؐ) یہ کتاب ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے لہذا تم اللہ ہی کی عبادت کرو دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے خبردار، دین خالص اللہ ہی کا حق ہے۔

دین کے معنی بندگی و اطاعت کے ہیں۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ بندگی و اطاعت صرف اللہ کا حق ہے پس عبادت خالصتہً اسی کے لئے ہونی چاہیے۔ اطاعت کا شرک، ریا اور نفاق وغیرہ کی آمیزش سے پاک ہونا ضروری ہے۔



ایک اور آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیں۔

هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، فَادْعُوهُ خُلُصِينَ لَهُ، الدِّينَ

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (المومن 65)

ترجمہ : وہ زندہ ہے اس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔ اسی کو پکارو دین کو اس کے لئے خالص کر کے ساری تعریف اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

غور کیجئے کتنا بلیغ اور معجزانہ کلام ہے دعا اور عبادت کے لئے تمنا اللہ کا استحقاق کس طرح چند الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے۔

وہ زندہ ہے۔

وہی اکیلا معبود ہے۔

وہ اپنی خوبیوں اور کمالات کی وجہ سے ساری تعریفوں کا مستحق ہے۔

وہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

کیا اللہ کے سوا کسی اور ہستی میں بھی یہ صفات موجود ہیں اگر نہیں ہیں اور یقیناً نہیں ہیں تو پھر کسی کو پکارنے (دعا یا عبادت کرنے) کا کیا جواز بنتا ہے؟ اگر ہم اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو پکاریں گے تو کیا یہ اخلاص کے منافی نہ ہو گا؟ کیا اللہ ہماری اس حرکت پر ناراض نہ ہو گا؟ یقیناً ہو گا۔ تو مالک کو ناراض کر کے ہم اپنی عبادت اور دعا کی قبولیت کی توقع کیوں کر رکھ سکتے ہیں واضح رہے کہ دعا اور عبادت کی حقیقت ایک ہی ہے نبی اکرم ﷺ کا ارشاد



ہے الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ (دعا عین عبادت ہے)

اگر آج ہماری عبادت بے ذوق اور دعائیں شرف قبولیت سے بے بہرہ ہیں تو اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ہماری بندگی میں اخلاص نہیں ہوتا ہم اللہ کی عبادت تو کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ دوسروں سے بھی نفع کی امید اور نقصان کا خوف وابستہ کر لیتے ہیں۔ بہت سے لوگ کھلم کھلا دنیوی حکمرانوں کو اپنا داتا سمجھنے لگتے ہیں۔ بعض دوسرے لوگ اللہ کے نیک بندوں کو نفع و نقصان کا مالک قرار دیتے ہیں اور ان سے دعا فریاد کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا واضح حکم ہے

لَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا (الجن 18)

(اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان تو موحد ہوتا ہے اسے مشرک کیونکر کہا جاسکتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ شرک تو شرک ہی ہے خواہ اس کا ارتکاب کافر کرے یا مسلمان۔ سورہ یوسف کی ایک آیت ہے۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ

(یوسف 106)

(ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان تو رکھتے ہیں مگر اس طرح

کہ اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بھی ٹھہراتے ہیں)

اس آیت سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان سے شرک کا



ارتکاب ہو سکتا ہے اور واقعہً اس دور میں ایسے لوگ موجود ہیں جو شرکیہ اعمال میں ملوث ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ اس سے انکاری ہیں اور اس کی الٹی سیدھی تاویلات پیش کرتے ہیں۔

احکامِ خدا حق ہیں مگر اپنے مفسر

تاویل سے قرآن کو بنا دیتے ہیں پاژند

خود نبی اکرم ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ ایک زمانہ آئے گا جب مسلمان مشرکانہ خیالات میں ملوث ہو جائیں گے مگر اسے شرک نہیں سمجھیں گے

”میری امت میں شرک ایسے داخل ہو گا جیسے سیاہ رات

میں سیاہ پتھر پر سیاہ چیونٹی چلتی ہے“ (مسند احمد)

اوپر جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اطاعت و عبادت کا اولین تقاضا یہ ہے کہ ہم اللہ کے مخلص بندے بن جائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح یکسوئی، یک رنگی اور حنیفیت اختیار کریں۔ ہماری سوچ اور عمل ہمارے عقیدے کے مطابق ہو۔ یہ نہ ہو کہ مسجد میں ہوں تو فرمانبردار اور مسجد سے نکل کر دفتر میں، منڈی و بازار میں، کارخانے میں اور حصول معاش کے دوسرے مقامات میں جائیں تو ساری بے ایمانیاں، سارے گناہ اور خلاف شریعت ساری سرگرمیاں روا سمجھیں۔ یہ نہ کہیں کہ نماز اپنی جگہ ہے اور کاروبار اپنی جگہ۔ جب تک ہم یہ دورنگی اور منافقت نہیں چھوڑیں گے اور جب تک ہماری عبادت میں اخلاص کی روح کارفرما نہیں ہوگی ہماری نمازیں سوزگداز اور لذت و حلاوت سے محروم رہیں گی۔



## رزق حلال

عبادات اور دعاؤں کی قبولیت کی ایک اہم شرط روزی کا جلال ہونا ہے رزق حلال سے دل میں نورانیت پیدا ہوتی ہے، عبادت میں لذت و حلاوت محسوس ہوتی ہے اور دعاؤں میں قبولیت کی خاصیت پیدا ہوتی ہے اس کے عکس لقمہ حرام سے دل میں تاریکی پیدا ہوتی ہے اور آدمی ذکر کی مٹھاس سے محروم ہو جاتا ہے نہ عبادت قبول ہوتی ہے نہ دعا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک اور احادیث طیبہ میں حلال و پاکیزہ چیزیں کھانے کی تاکید کی گئی ہے سورہ البقرہ میں ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ  
وَأَشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ  
(البقرہ 172)

ترجمہ: اے ایمان والو کھاؤ وہ پاک چیزیں جو ہم نے تمہیں دی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم واقعی اس کی عبادت کرنے والے ہو۔  
اس آیت کریمہ کے مضممرات پر غور کیجئے:

(1) خطاب کا آغاز 'اے ایمان والو' کے الفاظ سے کیا گیا ہے جیسے کہا جا رہا ہو کہ حلال کمانا اور کھانا تمہارے ایمان کا تقاضا ہے۔

(2) پھر کہا گیا حلال و طیب روزی ملے تو اللہ کا شکر ادا کیا کرو کیونکہ یہ اللہ کی خاص نعمت اور اس کا احسان ہے۔ اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا ضروری ہے۔

(3) تمہیں حلال چیزیں کھانے اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے کا حکم اس لئے



دیا جا رہا ہے کہ تم عبادت کرنے والے لوگ ہو (إِنْ كُنْتُمْ آيَاهُ تَعْبُدُونَ) عبادت میں صلاحیت قبولیت اسی وقت پیدا ہوتی ہے اور لذت و چاشنی اسی وقت آتی ہے جب عبادت کرنے والے کی روزی حلال ہو۔ اگر روزی حرام ہوگی تو انسان گناہوں کی طرف مائل ہوگا اور دل بتدریج سیاہ ہوتا جائے گا۔

حضرت سعدؓ مشہور صحابی ہیں۔ ایک مرتبہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ”میرے لئے دعا فرمائیے کہ میری تمام دعائیں قبول ہو جایا کریں“ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر حلال روزی کھاتے رہو گے تو تمہاری دعائیں قبول ہوں گی (بخاری)

دیکھئے کتنے قطعی اور دو ٹوک انداز میں حلال روزی کو قبولیت دعا کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔ ایک اور مشہور حدیث جس سے اس مضمون کی نہایت عمدہ وضاحت ہوتی ہے۔ صحیح مسلم سے نقل کی جاتی ہے۔ حدیث کا آخری حصہ اس طرح ہے :-

ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلُ يُطِيلُ السَّفَرَ أَشْعَثَ أَغْبَرَ يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ يَا رَبِّ يَا رَبِّ وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَغَدِي بِأَلْحَرَامِ فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لَهُ

(مسلم۔ ترمذی)

ترجمہ : پھر آپ نے ایک ایسے شخص کا ذکر کیا جو طویل سفر طے کر کے آتا ہے بال بھرے ہوئے ہیں جسم غبار آلود ہے ہاتھ پھیلا کر



(عاجزی سے) یارب یارب کہہ کر دعا کرتا ہے مگر حال یہ ہے کہ

اس کا کھانا حرام ہے پینا حرام ہے لباس حرام کا ہے اس کے جسم کی

پرورش حرام غذا سے ہوئی ہے پس اس کی دعا کیونکر قبول ہو؟

مطلب یہ ہے کہ بظاہر اس شخص کا حال ایسا ہے کہ دعا قبول ہونی

چاہیے مسافر ہے، پریشان حال ہے، سائلوں کی طرح ہاتھ پھیلائے ہوئے

عاجزی کے ساتھ مالک سے فریاد کر رہا ہے مگر حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اس

کی دعا قبول ہو تو کیسے جب کہ اس کا کھانا پینا اور لباس وغیرہ حرام کا ہے۔

معلوم ہوا کہ رزق حلال قبولیت دعا کے لئے پیش شرط ہے۔

## اپنے ماحول کا جائزہ

اب ذرا اپنے ماحول کا جائزہ لیجئے۔ حکومت کے اہل کاروں میں

رشوت اور کام چوری عام ہے، تاجروں نے ناجائز منافع خوری کو اپنا معمول بنا

لیا ہے۔ عام آدمی بھی دوسروں کے حقوق پر دست درازی کرتا نظر آتا ہے

جس کا جہاں بس چلتا ہے دوسروں کو نقصان پہنچا کر مال سمیٹنے میں دریغ نہیں

کرتا الا ماشاء اللہ اور یہ سب کچھ پیٹ بھرنے کے لئے نہیں بلکہ معیار زندگی

بلند کرنے کے لئے کیا جاتا ہے گویا حرام ہم میں سے اکثر و بیشتر کی کمائی میں

شامل ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بینک کاری نظام کی وجہ سے سود کا زہر

پورے معاشرے کے رگ و پے میں سرایت کر گیا ہے اور عام مسلمان اسے



منافع کہہ کر بلا کراہت قبول کرتا ہے۔ لاٹری کی مختلف قسمیں جو دراصل جوئے کی مختلف صورتیں ہیں اور مالیاتی اداروں کی انعامی سکیمیں جو سودی نظام کو وسعت دینے کا حیلہ ہیں ہمارے معاشرے میں ان کا چلن عام ہے ہماری ”اسلامی حکومت“ ان کی سرپرستی کرتی ہے اور لوگوں نے اس کھلے جوئے کو نہ صرف یہ کہ قبول کر لیا ہے اور اس میں کوئی قباحت نہیں سمجھتے بلکہ بشوق و رغبت اس لین دین میں لگے ہوئے ہیں اور اب یہ چیزیں ہمارے کلچر کا حصہ بن گئی ہیں۔

مختصر یہ کہ سود اور جو اپوری قوم کی معیشت اور معاشرت پر چھایا ہوا ہے اور ہم من حیث القوم حرام خوری اور بدویانہ کے عادی ہو چکے ہیں۔ ان چیزوں کو برا سمجھنے والے لوگ شاید آٹے میں نمک کے برابر ہوں حالانکہ قرآن پاک ہمیں صاف لفظوں میں باطل طریقوں سے مال کھانے کی ممانعت کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ  
بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ  
وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا

(النساء 29)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔ لین دین ہونا چاہئے آپس کی رضا



مندی سے اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو یقین جانو اللہ تم پر بہت  
مہربان ہے)

یہاں باطل طریقوں سے مراد وہ تمام طریقے ہیں جو شرعاً اور اخلاقاً  
ناجائز ہوں۔ اپنے آپ کو قتل نہ کرو سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ حرام طریقوں  
سے مال کمانا یا دوسروں کا مال ناجائز طور پر لینا اپنے آپ کو ہلاک کرنے کے  
مترادف ہے۔

اے طائر لا ہوتی اس رزق سے موت اچھی  
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی  
(اقبال)

ہمارے معاشرے میں حرام کمانے کے جو ناجائز اور باطل طریقے  
جڑ پکڑ چکے ہیں ان کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا۔ ظاہر ہے ہماری اور ہمارے بچوں  
کی پرورش اسی روزی پر اور اسی ماحول میں ہو رہی ہے تو پھر نمازوں میں اور  
اذکار میں لذت اور دعاؤں میں قبولیت کہاں سے آئے۔ نبی اکرم ﷺ کی وہ  
حدیث جس میں طویل سفر طے کر کے آنے والے پریشان حال مسافر کا تذکرہ  
ہے ایک مرتبہ پھر پڑھ لیجئے کہ جس شخص کا لباس حرام کا اور کھانا پینا حرام کا  
ہوا اسکی دعا کیونکر قبول ہو!

خلاصہ یہ کہ اسلام میں رزق حلال کی بہت زیادہ اہمیت ہے اس لیے  
لازم ہے کہ شیطان نے ہمیں معیار زندگی بلند کرنے کے جس چکر میں ڈال



رکھا ہے اس سے نکلیں۔ زندگی کے مسرفانہ انداز کو خیر باد کہہ کر سادگی اور کفایت شعاری کو اپنائیں اور رزق حلال پر قناعت کریں۔ یہ کام مشکل ضرور ہے لیکن اگر اپنی اصلاح کرنا مطلوب ہے تو اس کے بغیر چارہ نہیں۔

## گناہوں سے اجتناب

مالک کی نافرمانی کی جائے تو اس کا ناراض ہونا فطری بات ہے۔ اور ظاہر ہے مالک حقیقی کی ناراضگی بندے کے لیے دنیوی اور اخروی خسران کا سبب بن جاتی ہے حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی بندہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے دوبارہ گناہ کرنے پر ایک اور نقطہ پڑ جاتا ہے۔ اگر بندہ اپنی اصلاح کی فکر نہ کرے اور گناہ پر گناہ کرتا چلا جائے تو بتدریج اس کا سارا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ جب دل اس طرح سیاہ یا زنگ آلود ہو جائے تو نیکی کی بات اس پر اثر نہیں کرتی۔ بھلا ایسے دل میں ہدایت و عرفان کا نور کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔

آدمی سے بتقاضائے بشریت گناہ ہو جانا بڑی بات نہیں لیکن ضروری ہے کہ بندہ اپنی غلطی کا احساس کرے اور ندامت و شرمندگی کا اظہار کر کے اپنے رب سے معافی مانگ لے۔ وہ بڑا مہربان ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے۔ بڑی خرابی اور بد نصیبی کی بات یہ ہے کہ بندہ گناہوں پر اڑا رہے اور مالک کی ناراضگی کی پروا نہ کرے۔



گناہ دو طرح کے ہوتے ہیں صغیرہ اور کبیرہ۔ صغیرہ گناہ توبہ و استغفار کے بغیر بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے۔

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ

(ہود 114)

(بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں)

گویا کہ بندے کے نیک اعمال کی برکت سے چھوٹے موٹے گناہ خود بخود ساقط ہوتے رہتے ہیں مثلاً نماز روزے اور صدقہ و خیرات سے۔ حدیث میں ہے کہ جب کوئی بندہ نماز کے لیے وضو کرتا ہے تو چہرہ دھونے سے چہرے کے گناہ دھل جاتے ہیں۔ اسی طرح ہاتھ دھونے سے ہاتھوں کے گناہ اور پاؤں دھونے سے پاؤں کے گناہ دھل کر پانی کے ساتھ بہ جاتے ہیں اسی لیے رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب بندہ سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اسے چاہیے کہ جلد از جلد کوئی نیک عمل بجالائے۔ یہ نیک عمل اس گناہ کے داغ کو مٹادے گا۔

(ترمذی)

کبیرہ گناہ (وہ گناہ جن کی قرآن و حدیث میں مذمت آئی ہے مثلاً شرک، چوری، قتل، بدکاری وغیرہ) البتہ توبہ کے بغیر اور اللہ سے معافی مانگے بغیر معاف نہیں ہوتے۔ اسی طرح وہ گناہ جن کا تعلق حقوق العباد سے ہو وہ بھی معافی کا جواز نہیں رکھتے۔ آپ نے کسی سے قرض لیا مگر رقم واپالی واپس نہیں کر رہے یا کسی کی غیبت کر کے اسے دوسروں کے سامنے ذلیل



کرنے کی کوشش کی تو ظاہر ہے آپ نے ایک مسلمان بھائی کا حق ضائع کیا اب محض خدا سے معافی مانگنے سے اس کی تلافی کیونکر ہو سکتی ہے۔ اس کی تلافی تو اسی طرح ہو سکتی ہے کہ جس سے قرض لیا تھا اسے واپس کریں جس کو بے عزت کیا تھا اس سے معافی مانگیں۔

ایک اور قرآنی اصول، جو بڑا حوصلہ افزا ہے، یہ ہے کہ اگر آدمی کبیرہ گناہوں سے بچنے کی اپنی سی کوشش کرے تو اللہ تعالیٰ خوش ہو کر اس کے چھوٹے موٹے گناہ ویسے ہی معاف کر دیتے ہیں اور راہ ہدایت کی توفیق دے دیتے ہیں ارشاد پاک ہے۔

إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ، نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ  
وَنُدْخِلْكُمْ مَدْخَلًا كَرِيمًا ۝

(النساء 31)

(اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے رہو جن سے تمہیں منع کیا جا رہا ہے تو تمہاری چھوٹی موٹی برائیوں کو ہم تمہارے حساب سے ساقط کر دیں گے اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے۔)

اس کی وجہ وہی ہے جس کی طرف مضمون کے آغاز میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی اصل چیز مالک کی رضایا عدم رضا ہے۔ اگر وہ راضی ہو تو یہ بہت بڑی بات ہے اس کی کرم نوازی سے ہدایت ملے گی اور سارے کام درست ہوں گے۔ اگر بد قسمتی سے وہ ناراض ہو جائے تو بندے کا مستقبل مخدوش ہو



جائے گا۔ ہمیں گناہوں سے اس لیے بچنا ہے کہ یہ زندگی جیسی انمول نعمت عطا کرنے والے، انعامات اور احسانات کی بارش کرنے والے مہربان خدا کی نافرمانی ہے۔ اس کی بندہ نوازی دیکھنے وہ کہہ رہا ہے کہ اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے بچنے کی کوشش کرو گے تو ہم اپنی کرم گستری سے چھوٹے موٹے گناہ تمہارے حساب سے بلا توبہ ساقط کرتے رہیں گے۔

مزید برآں محتاط زندگی بسر کرنے والے کو نیکیوں کی توفیق بھی ملتی ہے اور عبادت کا ذوق اور لطف بھی حاصل ہوتا ہے۔

حاصل گفتگو یہ ہے کہ جو شخص اپنی نماز کو سنوارنا اور آخرت کو بہتر بنانا چاہتا ہو اس کے لیے لازم ہے کہ تمام گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے سابقہ گناہوں پر نادم ہو کر توبہ کرے آئندہ کے لیے ان سے بچنے کا پختہ عزم کرے کیونکہ جو دل گناہوں سے مکرر اور زنگ آلود ہو اس میں ہدایت و عرفان کا نور پیدا نہیں ہوتا۔

حقوق العباد کے اتلاف کو معمولی چیز نہ سمجھا جائے اس کی سخت باز پرس ہونے والی ہے۔ لوگوں سے اپنے معاملات درست رکھنے چاہئیں۔ کسی سے ظلم و زیادتی نہ ہو کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ جس سے کسی قسم کی زیادتی ہو چکی ہو اس کی تلافی کی کوشش کی جائے۔

ان اقدامات کا عبادات پر مثبت اثر پڑے گا۔



## نیک لوگوں کی رفاقت

ہم فطری طور پر دوسروں کی مدد اور رہنمائی کے ضرورت مند ہوتے ہیں بچہ دنیا میں آتا ہے تو ماں اس کی مربیہ اور اولیں رہنما ہوتی ہے وہ اسے بہت کچھ سکھاتی ہے۔ بچے کی پرورش اور تربیت میں باپ کا رول بھی بہت اہم ہوتا ہے۔ وہ اسے انگلی پکڑ کر چلنا سکھاتا ہے جب وہ ذرا بڑا ہوتا ہے تو اسے یکے بعد دیگرے بہت سے اساتذہ سے سابقہ پیش آتا ہے۔ ان کے رول کی اہمیت بھی مسلم ہے۔ بچے کا ذہنی ارتقاء انہی کی کوششوں کا مرہون منت ہوتا ہے۔

جہاں تک انسان کی اخلاقی اور روحانی اصلاح و تربیت کا تعلق ہے تو یہ کام ظاہری تربیت سے بھی مشکل تر ہے کیونکہ باطنی امور میں پیچیدگی اور غموض ہوتا ہے۔ باطن کی پیچ در پیچ تہوں کو کھولنا بہت مشکل اور جانگسل جدوجہد کا تقاضا کرتا ہے۔ اسی لیے نبی مکرم ﷺ نے باطنی اصلاح کی کوشش کو ”جہاد اکبر“ قرار دیا اور انبیائے کرام کے جانشین علمائے حق ہوتے ہیں جو عام لوگوں کی اخلاقی و روحانی تربیت کا کام کرتے ہیں مگر واضح رہے کہ یہ کوئی پیشہ ور قسم کے لوگوں کا طبقہ نہیں بلکہ اس سے مراد ایسے لوگ ہیں جو علمائے دین ہونے کے ساتھ ساتھ متقی اور زاہد بھی ہوں۔ معاشرے میں ایسے افراد کی تعداد بہت کم ہوتی ہے بلکہ بقول مجدد الف ثانی ”ایسے لوگ کبریت



احمر کی طرح نایاب ہوتے ہیں۔ اسی لیے باطنی اصلاح کرنے والوں کے لیے ضروری ٹھہرا کہ وہ ظاہری و باطنی خوبیوں کے جامع اور طاقتور شخصیت کے مالک ہوں انبیائے کرام ایسی ہی شخصیات تھیں جو بگڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح و رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتی رہیں۔

رسول کریم ﷺ کا مقام و منصب بیان کرتے ہوئے قرآن حکیم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے فرمایا:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ  
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ

(البقرہ 129)

(اے ہمارے رب ان لوگوں میں خود انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔)

اس آیت میں آیات کی تلاوت اور کتاب و حکمت کی تعلیم سے مراد ظاہری تعلیم اور تزکیہ سے مراد باطن کی اصلاح کا کام ہے۔ یہاں اگرچہ بات رسول اکرم ﷺ کے بارے میں کہی گئی ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ تمام پیغمبروں کے ذمے یہی کام تھا وہ لوگوں کے ظاہر و باطن کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے۔



قرآن پاک میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کو بہترین رفیق اور ان کی رفاقت کو اللہ کا فضل قرار دیا گیا ہے۔ آیت یہ ہے:

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ الَّذِي كَفَىٰ بِاللَّهِ عِلْمًا ۝ (النساء 69)

(جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔ یہ حقیقی فضل ہے جو اللہ کی طرف سے ملتا ہے اور حقیقت جاننے کے لیے بس اللہ ہی کا علم کافی ہے)

اس فرمان الہی کی روشنی میں صالحین کی رفاقت۔ یہ نعمت قرار دیا جاسکتا ہے۔ ویسے بھی ”صحبت صالح ترا صالح کند“ ایک مسلمہ اور معروف حقیقت ہے۔ گلاب کے پودوں کے قریب جو مٹی ہوتی ہے اس میں بھی خوشبو پیدا ہو جاتی ہے لہذا ایسے لوگوں سے میل۔ ل رکھنا جن کی نمازیں اخلاص اور خشوع سے مزین ہوں، جن کا ظاہر اور باطن ایک جیسا ہو، اور جو گناہوں سے بچنے والے اور حلال روزی کھانے والے ہوں یقیناً مفید ہو گا۔



لہذا اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیجئے اگر مذکورہ صفات کا حامل کوئی شخص مل جائے تو اس سے استفادہ کیجئے۔ اس سے دین کے مسائل بھی سیکھے اور باطنی اصلاح کے لیے مشورے بھی لیجئے۔ ایسے لوگوں کی رفاقت انشاء اللہ آپ کے لیے بہت مفید ثابت ہوگی۔

## انفاق فی سبیل اللہ

مفہوم

انفاق فی سبیل اللہ کے معنی ہیں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا قرآن و سنت میں جن کاموں پر مال خرچ کرنے کا حکم یا ترغیب دی گئی ہے یا اسے مستحسن قرار دیا گیا ہے وہ سب انفاق فی سبیل اللہ کی ذیل میں آتے ہیں گویا اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو نعمتیں عطا کر رکھی ہیں ہم ان میں دوسرے لوگوں خصوصاً نادار اور ضرورت مند لوگوں کو شریک کریں اس سے دو گونہ فائدہ ہوگا ایک تو معاشرے کے مفلس افراد کی ضرورتیں پوری ہوں گی دوسرے نعمتیں عطا کرنے والا رب خوش ہوگا کیونکہ **الْخَلْقُ عِيَالُ اللَّهِ** (مخلوق گویا اللہ کا کنبہ ہے) پس اپنے کنبے سے حسن سلوک دیکھ کر وہ یقیناً خوش ہوگا۔

اہمیت

شریعت میں انفاق پر بہت زور دیا گیا ہے اور اسے متقین کے ایک لازمی وصف کے طور پر پیش کیا گیا ہے قرآن مجید انفاق کی اہمیت 'ترغیب'



احکام، آداب و شرائط اور فضائل سے بھر اڑا ہے اور بعض مقامات تو ایسے ہیں جہاں مسلسل کئی کئی رکوع اسی ایک موضوع پر بات چلتی ہے ملاحظہ ہو :-  
(سورۃ البقرہ رکوع 36 تا 38 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی بخترت احادیث بھی انفاق کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں غرضیکہ انفاق مال دین کے بنیادی امور میں سے ہے اور اعمال میں نماز کے بعد غالباً سب سے زیادہ زور اسی پر دیا گیا ہے۔

ائمہ دین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ دین کا خلاصہ اور نچوڑ دو باتیں ہیں ایک اللہ کی عبادت اور دوسری مخلوق خدا سے شفقت و ہمدردی انفاق کا ان دونوں باتوں سے گہرا تعلق ہے انفاق مجائے خود عبادت بھی ہے اور دوسری عبادت کو موثر بنانے کا ذریعہ بھی اللہ نے اسے اپنے لئے قرض حسن قرار دیا ہے یوں یہ رضائے الہی کے حصول کا ذریعہ بن جاتا ہے رہی مخلوق خدا سے ہمدردی تو اس کا توجزوا عظیم ہی انفاق ہے کیونکہ ایک دوسرے کی مدد ہم براہ راست یا بالواسطہ مال ہی سے کرتے ہیں اس طرح یہ موضوع پورے دین پر چھایا ہوا نظر آتا ہے۔

تزکیہ نفس سے مراد نفس کو رذائل سے پاک کرنا اور سنوارنا ہے شریعت میں تزکیہ نفس پر بہت زور دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اخلاق رذیلہ سے چھٹکارا پائے بغیر کوئی شخص متقی نہیں بن سکتا نہ فوز و فلاح کی منزل کو پا سکتا ہے قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ سے نفس کا



تزکیہ ہوتا ہے یعنی وہ حرص، مغل اور مال کی شدید محبت جیسے اخلاقِ رذیلہ سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے چند آیات ملاحظہ ہوں۔

(1) وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ  
لِلْعُسْرَىٰ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ (اللیل 8-11)

”جس نے مغل کیا اور اپنے خدا سے بے نیازی برتی اور بھلائی کو جھٹلایا اسکو ہم سخت راستے کے لئے سہولت دیں گے اور اسکا مال آخر اسکے کس کام آئے گا جب وہ ہلاک ہو جائے“

(2) وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَىٰ ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ۝ وَمَا لِأَحَدٍ  
عِنْدَهُ ۝ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَىٰ ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ۝ وَ  
لَسَوْفَ يَرْضَىٰ (اللیل 17-21)

”اور (دوزخ سے) دور رکھا جائیگا اسے جو نہایت پرہیزگار ہے اپنا مال تزکیہ نفس کیلئے خرچ کرتا ہے حالانکہ اس پر کسی کا احسان نہیں ہے جس کا اسے بدلہ دینا ہو وہ تو صرف اپنے رب کی رضا جوئی کیلئے یہ کام کرتا ہے اور وہ ضرور خوش ہوگا“

(3) خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ  
عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ (التوبہ 103)



”آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کر دیں اور ان کے لیے دعا کیجئے بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے موجب اطمینان ہے“

مندرجہ بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ تزکیہ نفس کا اہم ذریعہ ہے جس کے بدلے میں صحابہؓ کو رسول کریم ﷺ کی دعائیں حاصل ہوئیں آخرت کی کامیابی اور شادمانی کی نوید ملی اور اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی ضمانت دی گئی۔

### انفاق فی سبیل اللہ اور نماز

انفاق کا عبادات کے ساتھ گہرا تعلق ہے قرآن پاک میں جہاں جہاں نماز روزے حج زکوٰۃ قربانی اور جہاد کا ذکر آیا ہے ساتھ ہی بالواسطہ یا بلاواسطہ انفاق کا ذکر بھی ضرور آیا ہے جیسے انفاق کے بغیر ان عبادات کی تکمیل ہی نہ ہوتی ہو اصل بات یہ ہے کہ عبادات تزکیہ کر کے مومن کو اخلاق و روحانیت کے جس اعلیٰ مقام پر پہنچانا چاہتی ہیں مغل اور حرص سے چھٹکارا حاصل کئے بغیر بندہ وہاں نہیں پہنچ سکتا۔

ذیل میں چند ایسی آیات درج کی جاتی ہیں جن میں نماز اور انفاق کا یکجا ذکر کیا گیا ہے اور جن سے رونوں کا تعلق ظاہر ہوتا ہے۔

(1) قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ

سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خِلَالَ ۝

”اے نبی میرے جو بندے ایمان لائے ہیں ان سے کہہ دو



کہ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے انکو دیا ہے اس میں سے کھلے اور چھپے (راہ خیر میں) خرچ کریں قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ دوست نوازی ہو سکے گی“

دیکھئے صلوة اور انفاق کو ایمان کے دو اہم تقاضوں کے طور پر بیان کیا گیا ہے صلوة حق اللہ اور انفاق حق العباد ہے اور یہی دونوں چیزیں شریعت کا خلاصہ اور نچوڑ ہیں سر اور علانیۃ کہہ کر انفاق کا طریقہ بھی بتا دیا گیا آخر میں نفسیاتی انداز کی ضرب لگائی گئی کہ زندگی کی مہلت کو غنیمت سمجھو اور نیکی کرنے میں دیر نہ کرو

(2) الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ۝ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ۝

(المعارج 23-25)

”جو اپنی نماز کی ہمیشہ پابندی کرتے ہیں جن کے مالوں میں سائل اور محروم کا ایک حق مقرر ہے“

سائل و محروم کے الفاظ سے صدقات کا مصرف ظاہر ہو گیا سائل وہ ہے جو خود مانگ کر اپنی ضرورت پوری کر لے محروم وہ ہے جو حاجتمند تو ہے مگر دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلا نا گوارا نہیں کرتا ایسے مستور الحال لوگوں کو خود تلاش کر کے ان کی مدد کرنی چاہیے حق معلوم کے الفاظ بھی



قابل توجہ ہیں یعنی بے کسوں اور محتاجوں کی امداد کر کے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ بڑا تیر مار لیا ہے بلکہ یہ سمجھا جائے کہ ان لوگوں کا حق تھا جو اللہ نے ہمارے مال میں شامل کر دیا تھا ہم نے محض اپنا فرض ادا کیا ہے کہ ان کا حق ان تک پہنچا دیا ہے گویا صدقہ محتاج کی ضرورت تو تھی ہی لیکن یہ صدقہ دینے والے کی بھی ضرورت تھی دونوں نے ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔

(3) وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۝

”نماز قائم کرو زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرض حسن دیتے رہو جو کچھ تم اپنے لئے آگے بھجیو گے اسے اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے۔ وہی زیادہ بہتر ہے اور اس کا اجر بھی بہت بڑا ہے۔“

اس آیت میں اقامتِ صلوة کے حکم کے معاً بعد ادائیگیِ زکوٰۃ کا اور قرض حسن دینے کا حکم دیا گیا ہے صلوة اللہ کا حق ہے اور انفاق بندوں کا اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں صلوة روحانی و اخلاقی ترفیع کا ذریعہ ہے اور انفاق معاشی مسائل کے حل کی کلید دونوں کے ملنے سے ہی مقاصد شریعت کی تکمیل ہوتی ہے۔

انفاق کے فضائل ایک نظر میں

1 مالی ایثار سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے ایک مومن کیلئے اللہ تعالیٰ کی



- خوشنودی اور رضا سے بڑھ کر اور کوئی نعمت ہو سکتی ہے۔
- 2 اخلاص کے ساتھ صدقہ و خیرات کرنے والے کو سکون قلب کی دولت عطا کی جاتی ہے اور اسے خوف و غم سے چھٹکارا مل جاتا ہے ظاہر ہے کہ یہ بہت بڑی بات ہے بھلا کون ہے جو سکون قلب کا متلاشی نہیں۔
- 3 عبادات کے ساتھ انفاق کو شامل کر کے ہی انہیں موثر اور نتیجہ خیز بنایا جاسکتا ہے اور ان کے مقاصد حاصل کئے جاسکتے ہیں۔
- 4 انفاق کے ذریعے نخل حرص اور تنگ دلی سے چھٹکارا حاصل ہوتا ہے اور ظاہر ہے ان اخلاق ذمیمہ کو چھوڑے بغیر آخرت کی کامیابی ممکن نہیں۔
- 5 انفاق کی بدولت آخرت کی فلاح اور سرخروئی حاصل ہوگی اور ظاہر ہے کہ یہ نعمت عظیمہ ہے۔
- 6 اللہ تعالیٰ انفاق کے مخلصانہ عمل کی قدر کرتا ہے اور خوش ہو کر اس کے صلے میں بندے کے گناہوں پر خط نسخ کھینچ دیتا ہے۔
- 7 انفاق کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ جذبہ اخوت کے باعث معاشرے میں خوشگواہی آجاتی ہے لوگ ایک دوسرے سے تعاون کرنے والے اور دکھ سکھ میں ساتھ دینے والے بن جاتے ہیں۔



## حرفِ آخر

حضرات، یہ ہیں خشوع کے معاونات۔ امید قوی ہے کہ جو شخص ان نکات پر عمل کر کے اپنی اصلاح کی پر خلوص کوشش کرے گا وہ انشاء اللہ گزشتہ ابواب میں خشوع اور حضوری دل کے لیے تجویز کردہ تدابیر سے بھر پور استفادہ کر سکے گا اور اپنی نمازوں کو سنوارنے اور موثر بنانے کی صلاحیت حاصل کر لے گا۔

آئیے اپنی سوچ اور عمل کی اصلاح کر کے ایک نئی زندگی کا آغاز کریں اگر ہم پختہ عزم کے ساتھ ایک مخلصانہ کوشش اور پرجوش مہم شروع کریں تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق ہمارے شامل حال ہو جائے گی انشاء اللہ۔ کیونکہ اس کا پختہ وعدہ ہے کہ جو شخص راہ ہدایت پر آنے کی مخلصانہ کوشش کرتا ہے وہ ضرور اس کی مدد کرتے ہیں اور اس کے لیے مطلوبہ راہ پر چلنا اور منزل مقصود پر پہنچنا آسان بنا دیتے ہیں ارشاد ہے۔

وَ الَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ

لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (العنكبوت 69)

(جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنے



راستوں پر ضرور چلا دیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ ایسے  
خلوص والوں کے ساتھ ہے)

ایک حدیث قدسی کا مضمون بھی کچھ اسی قسم کا ہے ”جو بندہ میری  
طرف چل کر آتا ہے میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔“

اور ہاں، رسول کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ”جو شخص شہنشاہ  
کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے وہ محروم نہیں رہتا کسی نہ کسی وقت دروازہ ضرور کھلتا  
ہے۔“ لہذا آئیے تمام دروازے چھوڑ کر اپنے مالک کے دروازے پر آجائیں  
اور التجا کریں کہ اے ہمارے رب ہم تیرے عاجز اور ناکارہ بندے ہیں، تو  
محض اپنے فضل و کرم سے ہماری کوشش کو قبول فرما، ہماری نمازوں میں سوز و  
گداز اور لذت و حلاوت پیدا فرما، ہماری دعاؤں کو قبولیت کے شرف سے نواز  
اور ہماری دنیا و آخرت کو سنوار دے۔ ہمارا بس تجھی پر بھروسہ ہے اور تو  
بہترین کار ساز اور بہترین مددگار ہے۔



## ماخذ

- 1- تفہیم القرآن
- 2- صحیح بخاری
- 3- المشکوٰۃ المصابیح
- 4- احیاء العاوم
- 5- مکتوبات مجدد الف ثانی
- 6- تربیت السالک
- 7- آسان فقہ
- 8- صلوة الرسول
- 9- فضائل اعمال
- 10- معارف الحدیث
- 11- عرفان
- 12- امداد السلوک
- 13- تہذیب الصلوٰۃ
- 14- مسند احمد



# نماز اور خشوع

روفیسر محمد اسحاق ایم۔ اے

پنجاب کالج آف کامرس لاہور

297.53

م 29 ن

55317